اللہ

نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ماہنامہ انوار العلوم

لاہور

نومبر 1953ء

سرپرست: حضرت مولانا مولوی مفتی محمد حسن صاحب مدت فیوضہم

زیر توسل: حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

نگران: حضرت مولانا مولوی حافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدت فیوضہم

شیخ التفسیر والحدیث جامعہ اشرفیہ

مدیر: احقر محمد نجم الحسن تھانوی غفرلہٗ

نومبر ۱۹۵۳

اللہ
نور السمٰوٰت والارض

ماھنامہ
انوار العلوم
لاہور

سرپرست: حضرت مولانا مولوی مفتی محمد حسن صاحب مدت فیوضھم
از متوسلین حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

نگران: حضرت مولانا مولوی حافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدت فیوضھم
شیخ التفسیر والحدیث جامعہ اشرفیہ

مدیر: احقر محمد نجم الحسن تھانوی غفرلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامعہ اشرفیہ لاہور کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ

ماہ نامہ تحفۂ اہل فہوم
آں کہ دارد نام "انوار العلوم"

انوار العلوم

سالکانِ راہِ رحماں را نجوم
رہ روانِ راہِ شیطاں را رجوم

لاہور

قیمت فی پرچہ:- نو آنے سالانہ:- چھ روپے

جلد ۲ | ماہ صفر ۱۳۷۳ھ مطابق نومبر ۱۹۵۳ء | نمبر ۷

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	ضروری اعلان	مہتمم جامعہ اشرفیہ	۲
۲	معارف القرآن	حضرت مولانا محمد ادریس صاحب	۵
۳	النور	حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی	۹
۴	الکلام الحسن	حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب	۱۷
۵	بشائر النبیین	حضرت مولانا محمد ادریس صاحب	۲۵
۶	فتح الغفور	" " "	۳۷
۷	دعوۃ الرشاد	مولانا عبد الحمید خان صاحب ارشد	۴۹

ہر قسم کی مراسلت اور ترسیل زر کا پتہ:- "مدیر انوار العلوم جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور"

ضروری اطلاع

متعلقہ جامعہ اشرفیہ۔ لاہور

حامداً و مصلیاً :-

عام مسلمانوں سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ ملک کی تقسیم کے بعد سے "جامعہ اشرفیہ" لاہور میں بفضلہ تعالیٰ خالص دینی خدمات مختلف شعبوں، درس و تدریس، قراءت و تجوید، وعظ و تبلیغ، اصلاحِ خلق اور افتاء وغیرہ کے ذریعہ سرانجام پا رہی ہیں۔ اور بعون اللہ مقتدر علمائے کرام کی سرپرستی میں جامعہ روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ چنانچہ ہر سال طلبہ کی تعداد کے ساتھ ساتھ مدرسہ کی ضروریات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ اور عرصہ سے خدام مدرسہ کو یہ احساس ہو رہا ہے کہ موجودہ عمارت (جس میں اس وقت مدرسہ قائم ہے اور حکومت کی طرف سے الاٹ شدہ ہے) مدرسہ کے لیے ناکافی ہے۔ کیونکہ :-

(۱) امسال طلبہ کی ایک معتد بہ تعداد کو صرف اسی وجہ سے مدرسہ میں داخل نہیں کیا جا سکا کہ یہاں ان کے قیام کی گنجائش نہ تھی اور اس کے باوجود مدرسہ کو قیام طلبہ کے لیے ایک جگہ کرایہ پر بھی لینی پڑی۔

(۲) کتب خانہ جس جگہ قائم ہے وہ اس کے لیے ناموزوں ہونے کے علاوہ ناکافی بھی ہے۔

(۳) مدرسہ کے دفتر کے لیے کوئی جگہ نہیں اور وہ باوجود سخت تنگی کے کتب خانہ ہی میں قائم ہے۔

(۴) ماہنامہ ہذا کے دفتر کے لیے کوئی جگہ نہیں اور اس وجہ سے مختلف جگہوں میں منتشر ہونے سے سخت تشویش اور بدنظمی ہے۔

(۵) اس عمارت میں مدرسین کے لیے درس گاہیں نہیں اور اکثر اسباق حضرات مدرسین برآمدوں میں پڑھاتے ہیں اور اس طرح بعض اوقات بوجہ قرب کے اسباق پڑھانے میں الجھن اور آوازوں میں تصادم سے خلجان پیدا ہوتا ہے۔ (۶) درجہ حفظ و تجوید کے لیے کوئی باقاعدہ جگہ نہیں۔ (۷) طلبہ کے لیے مطبخ کے قیام کی ضرورت ہو گی مگر اس کے لیے جگہ نہیں۔ (۸) موجودہ عمارت میں بجز ایک آدھ کے کوئی غسل خانہ نہیں۔

(۹) بیت الخلاء بھی ناکافی اور تنگ ہیں اور صحن میں ہونے کی وجہ سے اس کی بدبو تمام جگہ پھیلتی ہے۔

(۱۰) مدرسین کے قیام کے واسطے جگہ بہت تنگ اور ناکافی ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی چیزیں ہیں جو ہمیشہ محسوس ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً ابتدائی درجوں کی تعلیم کے شروع کرنے میں بھی تنگی جگہ کی ایک رکاوٹ ہے وغیرہ۔

بنا بریں جامعہ کی مجلس شوریٰ نے اس امر کا فیصلہ کیا ہے کہ "ان حالات کے پیش نظر مدرسہ کے لیے علیحدہ کوئی جگہ خرید کر وہاں اپنی ضرورت کے مطابق عمارت بنائی جائے" کیونکہ مزید جگہ الاٹ ہونے کی توقعات ختم ہو چکی ہیں۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ مدرسہ کا کام محض توکلاً علی اللہ وقتی عطیات سے پورا ہوتا ہے اور مدرسہ کے پاس اس وقت کوئی ایسا محفوظ سرمایہ نہیں ہے کہ اس سے اس گرانی کے زمانہ میں کوئی جگہ خرید کر تعمیر کا کام شروع کیا جائے۔

لہٰذا جملہ اہل خیر حضرات سے استدعا ہے کہ اس موقعہ پر اس کام میں مدرسہ کا ہاتھ بٹائیں اور تعمیر مدرسہ کے لیے فراخ دلی سے عطیات مرحمت فرمائیں تاکہ جلد سے جلد اس کام کی تکمیل ہو کر یکسوئی کے ساتھ تعلیم دین کا کام شروع ہو سکے ترویج علم دین کے سلسلے میں ایک کوڑی خرچ کرنے کا اجر لاکھوں روپے خرچ کرنے کے برابر ہے۔ جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ:۔

"سب سے بڑی نیکی شریعت اسلام کی ترویج اور شریعت کے کسی حکم کا زندہ کرنا ہے۔ خصوصاً ایسے زمانہ میں جب کہ شعائر اسلام مٹتے چلے جا رہے ہوں۔ دین کے ایک مسئلہ کو رواج دینا اور اس کی تبلیغ کرنا کروڑہا روپے راہ خدا میں خرچ کرنے سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اور مسائل شرعیہ کو رواج دینے کی نیت سے ایک کوڑی خرچ کرنا لاکھوں روپے خرچ کرنے کے برابر ہے جو اس کے علاوہ کسی دوسری نیت سے خرچ کیے جاویں۔"

(مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رح دفتر اول حصہ دوم ص۲۱)

اس مد میں دینے والے حضرات ان شاء اللہ اسی فضیلت و اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ کیونکہ یہ زمانہ سخت شرور و فتن کا ہے اور بقائے علم دین کی سعی کی توفیق ہو جانا حق تعالیٰ کی بڑی نعمت اور سعادت ہے۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العٰلمین۔

اس مد کی تمام رقوم اس پتہ پر ارسال کریں:۔

مہتمم جامعہ اشرفیہ۔ نیلا گنبد۔ لاہور

مراتب بھی ختم ہوئی۔ مگر شہید کی ترقی برابر جاری رہتی ہے۔ جس عمل میں اس نے جان دی ہے اس کا اجر برابر جاری رہتا ہے گویا کہ اب بھی وہ عمل کر رہا ہے۔

حدیث میں ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر مجاہد فی سبیل اللہ کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۲)

احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹ میں رکھ دی جاتی اور جنت میں اڑتی پھرتی ہیں اور جنت کے میوے کھاتی ہیں اور عرش کی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔

بظاہر وجہ یہ ہے کہ شہید نے اپنے بدن کو خدا کی راہ میں قربان کیا حق تعالیٰ نے اس عنصری بدن کے بدلہ میں ایک دوسرا عنصری بدن اس کی روح کی سیر و تفریح کے لیے عطا فرمایا۔ یہ جسم طیوری اس روح کے لیے بمنزلہ ایک طیارہ کے ہے کہ جس کے ذریعہ سے روح جنت میں اڑ کر سیر و تفریح کر سکے۔ اور یہ روح اس نئے جسم میں مدبّر اور متصرف نہیں۔ تاکہ تناسخ کا شبہ ہو۔ اس لیے کہ تناسخ کی حقیقت یہ ہے کہ روح ایک جسم سے جدا ہونے کے بعد دوسرے جسم سے اس طرح متعلق ہو کہ دوسرے جسم میں کوئی اور روح نہ ہو اور یہی روح اس جسم کے نشوونما کا سبب ہو اور یہی روح اس جسم میں مدبر اور متصرف ہو۔ اور ارواح شہداء میں یہ بات نہیں اس لیے کہ جس جسم طیوری کے ساتھ شہید کی روح کا تعلق ہوا ہے اس جسم طیوری کی روح علیحدہ ہے اور شہید کی روح علیحدہ ہے اور جسم طیوری کے نشوونما اور تدبیر و تصرف کا کوئی تعلق شہید کی روح سے نہیں۔ اس کا تعلق پرندہ کی اصلی روح سے ہے۔ پرندہ کا جسم اور روح علیحدہ ہے اور شہید کی روح علیحدہ اور اس میں سوار ہے اور وہ سبز پرندہ مع اپنے جسم اور اپنی روح کے شہید کی روح کے لیے سواری ہے۔ خوب سمجھ لو۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ

اور البتہ ہم آزماویں گے تم کو کچھ ایک ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے

وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ

اور جانوں کے اور میووں کے اور خوشی سنا ثابت رہنے والوں کو کہ جب ان کو پہونچے کچھ مصیبت

مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ

کہیں ہم اللہ کا مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھر جانا ایسے لوگ انہی پر

صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

شاباشیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں راہ پر

بیان امتحان صبر و بشارت صابرین و جزائے صبر

(ربط) گذشتہ آیت میں صبر کے سب سے بڑے امتحان کا ذکر فرمایا یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا۔ اب آیندہ آیت میں صبر کے کم درجے کے امتحان کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس امتحان کے علاوہ اور بھی کچھ ہم تمہارے صبر کا امتحان لیں گے جو تم پر زائد شاق اور گراں نہ ہوگا اور خدا کی راہ میں جان دینے کی طرح مشکل نہ ہوگا۔ کبھی تمہارا امتحان کسی قدر دشمنوں کے خوف سے لیں گے کہ تم دشمنوں سے خوف زدہ ہو کر پریشانیوں میں مبتلا ہوگے اور کبھی فقر و فاقہ کے ذریعہ سے اور کبھی مالوں کے نقصان سے۔ مثلاً مال ضائع ہو جائے۔ اور کبھی جانوں اور پھلوں کے نقصان سے۔ مثلاً عزیز و اقارب مر جائیں یا مثلاً کھیتی اور باغ کے پھل کسی آفت سے تلف ہو جائیں۔ تو اے مسلمانو ان مصائب اور آفات میں صبر کرنا اور ذکر اور شکر سے غافل نہ ہونا اور جو لوگ اس امتحان اور آزمائش میں پورے اتریں تو اے نبی کریم آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہونچتی ہے تو صبر کرتے ہیں اور کوئی حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے بلکہ اپنی اور احباب کی تسلی کے لیے یہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے مملوک اور غلام ہیں۔ ہماری جان اور ہمارا مال سب اسی کی ملک ہے جو چاہے سو کرے اور جو چاہے چھوڑے غلام کو آقا کے سامنے مجال دم زدن نہیں وہ ارحم الراحمین ہم پر ہم سے زیادہ مہربان ہے وہ اگر کسی وقت بھوکا رکھے تو اس کی حکمت اور

مصلحت ہے۔ طبیب مشفق اگر بدہضمی اور فساد معدہ کی وجہ سے ایک دو وقت کھانے کی ممانعت کردے

تو یہ اس طبیب کے مشفق ہونے کی دلیل ہے اور ہم سب اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ وہاں

پہونچ کر ہم کو یہ بھی مل جائے گا جو ہم سے لیا گیا ہے اور وہم وگمان سے زائد ہم کو اس کا اجر بھی ملے گا۔

ف۔ حدیث میں ہے کہ یہ کلمہ خاص اسی امت کو ملا ہے دوسری امتوں کو عنایت نہیں ہوا۔

چنانچہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے غم میں یا آسفا کہا اور انا للہ نہیں کہا۔

ایسے صابرین پر اللہ تعالےٰ کی خاص عنایات اور خاص توجہات ہیں جو حضرات انبیاءؑ کی عنایات کے

ہم رنگ ہیں جو اُن کے پروردگار کے پاس سے اترتی ہیں اور اُن پر خدا کی مہربانی بھی ہے۔ کتاب و

سنت میں صلوٰۃ کا لفظ انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے۔ صابرین کی بشارت میں صلوات کا اس لیے

استعمال فرمایا کہ حق تعالےٰ صبر کرنے والوں کو اُن عنایات خاصہ سے سرفراز فرماتے ہیں جو حضرات انبیاء

کی صلوات وعنایات کی ہم رنگ ہوتی ہیں اس لیے کہ مصائب اور حوادث میں صبر وتحمل سے کام

لینا اور کوئی کلمہ شکایت زبان سے نہ نکالنا اور خداوند ذوالجلال کی طرف رجوع کرنا انبیاء کرام کا طریقہ

ہے کما قال تعالیٰ

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ — سو تو ٹھیرا رہ جیسے ٹھیرے رہے ہیں ہمت والے رسول

اس لیے صابرین کو صلوات وعنایات خاصہ سے سرفراز فرمایا اور جان ومال کا جو نقصان ہوا اس کے

عوض میں عنایات عامہ یعنی طرح طرح کی رحمتوں اور مہربانیوں سے نوازا۔

ہمارے اس بیان سے صلوٰۃ اور رحمت میں فرق واضح ہوگیا۔ صلوات سے عنایات خاصہ مراد ہیں

جو دینی اور دنیوی اور ظاہری اور باطنی برکات کا موجب ہیں اور رحمت سے عنایات عامہ مراد ہیں جو

دنیا میں فوت شدہ جان ومال کا عوض اور نعم البدل ہیں۔ خوب سمجھ لو۔ اور ایسے ہی لوگ علاوہ اس

کے کہ وہ عنایات خاصہ اور عنایات عامہ کے مورد ہیں ہدایت یافتہ بھی ہیں کہ عین مصیبت کے وقت

میں جب کہ یہ اندیشہ تھا کہ کوئی کلمہ شکایت کا زبان سے نکل جائے اور خداوند ذوالجلال کی ناراضگی اور

دوری اور مہجوری کا سبب بن جائے ایسے وقت میں قرب خداوندی اور اس کی خوشنودی کا راستہ

نکال لیا کہ اللہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ کمال ہدایت یہی ہے کہ ہر طرف سے اپنے مطلب کا کھوج لگالے۔

باقی آئندہ

قسطِ دوم

النور

از حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

محققین نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک شخص کے منہ سے با آواز بلند لفظ اَللّٰہ نکل گیا۔ آپ نے فرمایا کہ آہستہ کہو تھوڑی دیر کے بعد اُس نے پھر اُسی طرح کہا اَللّٰہ آپ نے فرمایا کہ اس کو مجلس سے اٹھا دو۔ کیونکہ آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ شخص بدون مغلوبیت کہہ رہا ہے۔

حضرت جنیدؒ کی مجلس میں ایک خوش آواز نے ایک شعر پڑھ دیا اُس کو سُن کر ایک صوفی کو وجد شروع ہوا لیکن جنیدؒ اسی طرح بیٹھے رہے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت آپ کو وجد نہیں ہوا؟ آپ نے فرمایا:۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً — اور پہاڑوں کو دیکھ کر تم سمجھو گے کہ وہ ٹھہرے ہوئے
وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ — ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چلتے ہوں گے۔

کہ میاں تم سمجھتے ہو گے کہ ہم کو حرکت نہیں ہوئی۔ حالانکہ ہم خدا جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں۔ مگر وہ حرکت تم کو محسوس نہیں ہوئی۔ اور یہ کیا ضرور ہے کہ اگر کوئی وارد ہو تو اس کو ظاہر ہی کر دیا جاوے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ایک بار وعظ بیان فرمایا۔ بعضوں نے متاثر ہو کر کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اُسی وقت وحی نازل ہوئی کہ ان سے فرما دیجیے کہ دلوں کو پھاڑو کپڑے پھاڑنے سے کیا ہوتا ہے۔ مگر اس سے سب کپڑے پھاڑنے والوں پر اعتراض مقصود نہیں اس کا بھی ایک درجہ ہے۔ حضرت شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں:۔

مکن عیب درویش حیران و مست — کہ غرق است ازاں مے زند پا و دست
بہ تسلیم سر در گریباں برند — چو طاقت نماند گریباں درند

کہ جب بالکل از خود رفتہ ہو جاتے ہیں تو کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں۔ اب یہ تھوڑا ہی جائز ہو گا کہ خواہ مخواہ

کپڑے پھاڑنے شروع کر دے۔ جیسے کان پور میں ایک صاحب نے کسی مکان پر مولد پڑھا۔ آپ کے پاس کرتہ پرانا تھا، جی چاہا کہ نذرانہ کے ساتھ صاحب خانہ سے ایک کرتہ بھی وصول کریں۔ آپ نے بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر پہونچ کر نہایت زور سے ایک وجدی حالت پیدا کی اور کرتہ پھاڑ ڈالا۔ آخر صاحب خانہ نے نذرانہ بھی دیا اور شرم کے مارے ایک نیا کرتہ بھی بنا دیا۔ اب بتلائیے کہ ہم اب بھی اگر منع نہ کریں تو کیا کریں ؎

اگر[۱] بینم کہ نابینا و چاہ است ۔۔۔ اگر خاموش بنشینم گناہ است

ایسے ہی لوگوں کی حالت تباہ دیکھ کر ہماری زبان کھلتی ہے اور ہم کو مجبور ہو کر منع کرنا پڑتا ہے۔ بعض خیر خواہ کہتے ہیں کہ اس میں گفتگو کرنے سے عوام میں بدنامی ہوتی ہے۔ مگر آخر کب تک بدنامی کے خوف سے خاموش رہیں گے۔ خاموشی ہی کی بدولت تو یہ منکرات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اہل حق کا ملامت و بدنامی کے باب میں یہ مذہب ہونا چاہیے ؎

ساقیا[۲] برخیز و در دہ جام را ۔۔۔ خاک بر سر کن غم ایام را
گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں ۔۔۔ ما نمی خواہیم ننگ و نام را

حضرت بایزید بسطامیؒ بدنامی سے نہ ڈرے، منصورؒ نہ ڈرے۔ اور بضرورت غلبہ حال کیا کیا کہا مگر سب نے ان کے اقوال کی تاویل کی تو علماء جو بضرورت غلبہ اصلاح شریعت کے موافق کہتے ہیں۔ ان پر کیوں ملامت ہوتی ہے اور ان کے قول کو قبول کیوں نہیں کرتے؟

غرض ہم نفس قیام کو منع نہیں کرتے۔ مگر قیام حرکت وجدیہ ہے اور یہ وارد سے ہوتی ہے تو اگر کوئی شخص وارد کے غلبے سے مضطر[۳] ہو جاوے تو اس کو جائز ہے مگر یہ یاد رہے کہ وہ اضطرار کسی خاص مضمون کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا۔

قیام کی ابتدا کیسے ہوئی

اور ابتدا اس کی اس طرح ہوئی ہے کہ ایک شخص مضطر ہو کر کھڑا ہو گیا ہے۔ اس کی حالت کی تائید میں اور اس حالت مستحسنہ کو باقی رکھنے کے واسطے حاضرین مجلس بھی کھڑے ہو گئے۔ اور اس کو علامہ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اگر ایک شخص وجد سے

---

[۱] اگر نابینا ہو اور کنواں ہو تو خاموش بیٹھے رہنا جرم ہے ۱۲ ۔ [۲] یعنی کام میں لگے رہنا چاہیے۔ بدنامی وغیرہ کا فکر نہیں کرنا چاہیے ۱۲ ۔ [۳] بے اختیار ۱۲

کھڑا ہو جاوے تو اس کے ساتھ سب کو کھڑا ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ اس میں اُس کی تانیس اور اس کی حالت کا ابقا ہے۔ علیٰ ہذا حضرت شیخ گنگوہی رحؒ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو کوئی کیفیت ہو وہ کیفیت خدا تعالیٰ کی مہمان ہے اس کی قدر کرو۔ اور اس کی قدر میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرو کہ جس سے اس کا دل بُجھ جائے اور وہ کیفیت جاتی رہے۔ غرض صوفیہ نے اس کی کیفیت کو محفوظ رکھنے کے لیے ایسا کیا ہے۔ لیکن مجلس بھر میں اول جو شخص کھڑا ہو گا اس کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ مکر کرے۔

حکایت

میں شاہ جہاں پور میں ایک صوفی سے ملا ہوں کہ وہ سماع سنتے تھے مگر مکار و متصنع[1] نہ تھے۔ اور ان میں یہ بات نہایت غنیمت تھی کہ وہ مسائل کو علماء سے پوچھ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ سماع سُن رہے تھے کہ مجلس میں ایک شخص نے کھڑے ہو کر چٹکیاں بجانی شروع کر دیں۔ انہوں نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر اٹھا اور چٹکیاں بجانی شروع کر دیں انہوں نے پھر بٹھلا دیا تیسری مرتبہ وہ پھر اٹھا تو انہوں نے مجلس سے نکلوا دیا۔ غرض محققین صوفیہ اس کا بہت خیال کرتے تھے۔

غرض قیام کی ابتداء یوں ہوئی کہ اول کسی کو وجد ہوا پھر بلا وجد ہی اس کو رسم کر لیا۔ اور ہم اس رسم ہی کو منع کرتے ہیں۔ حالت کو منع نہیں کرتے کیونکہ حالت تو غیر اختیاری ہے اس کو کیوں کر منع کیا جا سکتا ہے۔ شیخ شیرازی اسی کو کہتے ہیں ؎

مکن عیب[2] درویشِ حیران و مست — کہ غرق است ازاں می زند پا و دست

ایسے شخص پر کون اعتراض کر سکتا ہے ہرگز نہیں۔ مگر ایسے کتنے ہیں؟ آپ سو پچاس مولودوں کو دیکھیے تو وہاں ایک بھی ایسا نہ ملے گا اور اگر ہوں گے بھی تو بمشکل ایک دو باقی سب خشک۔

قیام مولد میں فسادِ عقیدہ

اور میں توسیع[3] کر کے کہتا ہوں کہ اگر یہ فعل صرف رسم کے مرتبہ میں رہتا تب بھی خیر ممکن تھا کہ اس پر خاموشی اختیار کی جاتی مگر اب تو یہ غضب ہے کہ اس سے اعتقاد بھی خراب ہونے لگا ہے۔ یعنی بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ حالانکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔ اور اگر دلیل میں کسی کا کشف پیش کیا جاوے تو اول تو ممکن ہے کہ کشف صحیح نہ ہو۔ دوسرے اگر کشف صحیح بھی ہو

---

[1] بناوٹ کرنے والے ۱۲ [2] حیران و مست درویش کو بُرا بھلا مت کہو کیونکہ وہ مجبور و معذور ہے ۱۲ [3] ترقی ۱۲

تو اس کا خلاصہ یہ ہو گا کہ کسی مجلس خاص میں کسی صاحب کشف کو ایسا مکشوف ہوا تو اس سے دوام پر کیوں کر استدلال ہو سکتا ہے اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ جب ایسا ہو گا تو ایسا بھی ہو گا یعنی جب مولد ہو گا تشریف آوری ضرور ہو گی۔ لزوم اور دوام کے لیے تو کسی مستقل دلیل کی ضرورت ہے

واذ لیس فلیس ‏ ‏ ‏ اور جب یہ نہیں تو وہ بھی نہیں

تو یہ اعتقاد بے بنیاد اور خلاف شریعت ہوا تو اس کی اصلاح واجب ہوئی

دوسری خرابی

اور بعض لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف تو نہیں لاتے لیکن اس ذکر کے وقت جو شخص قیام نہ کرے وہ بے ادب ہے۔ لہٰذا قیام کرنا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے صحابہ ارشاد فرماتے ہیں:-

كُنَّا لَا نَقُوْمُ لَهٗ لِمَا كُنَّا نَعْرِفُ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ[1] صلی اللہ علیہ وسلم ‏ ‏ ‏ ہم آپؐ کی وجہ سے کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ ہم کو اس کے متعلق آپؐ کی ناگواری کا علم تھا

تو کیا کوئی شخص ایسی جرأت کر سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کو گستاخ کہے (نعوذ باللہ) جب خود مذکور کے قرب کے وقت ترک قیام بالاذن بے ادبی نہیں تو ذکر شریف کے وقت وہ خلافِ ادب کیسے ہو گا؟ نیز اگر حضورؐ کے ذکر مبارک پر قیام نہ کرنا ترک ادب ہے تو میں دعویٰ کرتا ہوں کہ جتنے مثبتینِ قیام و مدعیانِ محبت ہیں سب کے سب بے ادب ہیں کیونکہ یہ لوگ صرف اسی مجلس خاص میں حضورؐ کے ذکر پر قیام کرتے ہیں اور دوسرے مواقع پر جو آپؐ کا ذکر مبارک ہوتا ہے جیسے مثلاً اب میں ذکر کر رہا ہوں تو ان میں سے ایک بھی قیام نہیں کرتا۔ غرض لوگوں نے اس میں یہ غلو[2] کر لیا ہے۔ اس لیے اس کی اصلاح ضروری ہے۔ یہ تحقیق تھی قیام کی۔ باقی ذکر ولادت شریف کی نسبت میں عرض کر چکا ہوں کہ جب ذکر ولادت شریفہ سے زیادہ ذکر احکام موجب برکت ہے تو اُن کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔ صاحبو یہ سب ذکر رسول ہی ہیں ؎

ہر چہ بینم در جہاں غیر تو نیست ‏ ‏ ‏ یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

ایک شاعر نے کہا ہے ؎

گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا ‏ ‏ ‏ نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

---

[1] ہمیشہ ہونے پر ۱۲ ‏ ‏ ‏ [2] زیادتی ۱۲

مگر اس میں ایک صاحب حال نے اصلاح دی ہے کہ ؎

گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا　　تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

مصلح کا مطلب یہ ہے کہ شاعر تو نابینا تھا اس کو نظر نہ آیا۔ حالانکہ وہاں ہر ایک سے تیرا ہی جلوہ نظر آرہا ہے۔ اسی کو فارسی میں کہا ہے ؎

ہر چہ بینم در جہاں غیر تو نیست　　یا توئی یا بوئے تو یا خوئے تو

تو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے تو جیسا ذکر ولادت آپؐ کا ذکر ہے ایسا ہی :۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً　　اور زنا کے پاس بھی نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے۔

بھی آپؐ کا ذکر ہے اور :۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ　　آپ مومنین سے فرما دیجیے کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور باعفت رہیں۔

بھی آپؐ ہی کا ذکر ہے۔ اور :۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ　　نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

بھی آپؐ ہی کا ذکر ہے۔

ذکرِ میلاد کو اختیار کرنے کا راز

مگر بات یہ ہے کہ ایک جگہ تو کرنے کا کام ہے وہ نفس پر گراں گذرتا ہے اور دوسری جگہ کچھ کرنا پڑتا نہیں اور چلتے وقت نذرانہ ملتا ہے۔ اور بہت سا مٹھائی کا حصہ مل جاتا ہے۔

اہلِ مولود کی محبت کی مثال

صاحبو یہ محبت تو ایسی ہے جیسے سفر میں ایک شخص کی رفاقت تھی کہ اس کے رفیق نے کھانا تیار کرنے کی نسبت جب کسی کام کو کہا تو اس نے کوئی نہ کوئی عذر کر دیا سب سے اخیر میں جب کھانا تیار ہو چکا تو اس کے ساتھی نے کہا کہ میاں آؤ کھانا تو کھا لو۔ کہنے لگا کہ مجھے انکار کرتے ہوئے بہت دیر ہو گئی ہے۔ اب ہر بات میں انکار کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ تم کہو گے کہ سخت نافرمان آدمی ہے کہ کسی بات کو بھی نہیں مانتا۔ لاؤ خیر کھانا تو کھا ہی لوں۔

بس جیسی یہ رفاقت تھی کہ مشقت میں عذر اور حظ نفس میں موافقت۔ ایسی ہی یہ محبت ہے کہ مشقت کی

چیزوں کا تو ذکر نہیں اور جس میں نفس کی خوشی تھی اُس میں سرخ رُو ہو گئے۔ تو جناب اگر محبت رسولؐ اسی کا نام ہے تو ایسی محبت کو سلام ہے۔

ایک صحابی کی حکایت

محبت تو یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں کسی مقام پر تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ایک مکان قبہ دار پختہ کا بنا ہوا ہے۔ آپؐ نے دیکھ کر دریافت فرمایا کہ کس کا مکان ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ فلاں شخص کا ہے۔ آپؐ سن کر خاموش ہو رہے۔ دوسرے وقت جب اس گھر کے مالک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری طرف رُخ پھیر لیا۔ وہ دوسری طرف سے حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ آپؐ نے اُدھر سے بھی رخ پھیر لیا۔ آخر انہوں نے دوسرے صحابہؓ سے دریافت کیا کہ آج کیا بات ہوئی۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اور تو ہم کو کچھ معلوم نہیں۔ اتنا معلوم ہے کہ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے مکان کو دیکھا تھا اُس وقت سے خاموش ہیں۔ گویا یہ صحابہؓ کا گمان ہی تھا۔ مگر اُن بزرگ عاشق نے صرف گمان ہی پر، اتنا سنتے ہی، فوراً جا کر تمام مکان کو گروا دیا۔ گویا بزبانِ حال یہ کہتے تھے ؎

ہر چہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف و چہ ایماں[1] ہر چہ زیار دور افتی چہ زشت آں نقش و چہ زیبا

اور یہ کہتے تھے :- ؎

ہر چہ جز ذکر خدائے احسن است[2] گر شکر خواری ست آں جاں کندن است

اور عجیب تر لطف اُس محبت کا یہ دیکھیے کہ اس کو گرا کر جتلایا تک نہیں۔ اور کیوں جتلائیں اگر مکان گرا دیا تو آپؐ پر کیا احسان کیا۔ آخر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ خود ہی اس طرف تشریف لے گئے اور وہاں مکان نہیں پایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ مکان کیا ہوا اور صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضور! فلاں شخص نے اُسی روز اس کو گروا دیا تھا۔ تب آپؐ کو خبر ہوئی اور اس وقت آپؐ نے تعمیر کے تکلفات کی مذمت بیان۔

سچی محبت کے آثار

حضرت سچی محبت تو یہ ہے کہ انسان اپنے مال اور جان سب کو فدا کر دے نہ یہ کہ خالی مزہ دار حکایات بیان کرے اور بس۔ اب ربیع الاول کا مہینہ ہے اس میں بہت جگہ

۱؎ جس چیز کی وجہ سے محبوب سے دوری ہو وہ قابل ترک ہے خواہ وہ کچھ ہی ہو ۱۲

۲؎ خدا تعالیٰ کے ذکر کے سوا ہر چیز خواہ وہ شکر ہی کیوں نہ ہو موت کے برابر ہے ۱۲

مولود ہوا ہوگا۔ ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ تم نے اپنے حظ کو تو محفوظ رکھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام پر جو اس وقت سخت مصیبت آرہی ہے اور وہ ڈانواڈول ہو رہا ہے اس کی تم نے کیا مدد کی۔ اس کو کیا سہارا پہونچایا؟۔

افسوس ہے کہ امسال بجائے اس مہم امداد اسلام کے بعض مقامات پر محض عید میلاد النبی کے منانے کو مٹھائی کے واسطے چھ سو روپیہ کا چندہ ہوا۔ ایک وہ مسلمان ہیں کہ اسلام کی خدمت کے لیے اپنی گردنیں کٹا رہے ہیں اور ایک یہ ہیں کہ ان کو مٹھائی کھانے کی سوجھ رہی ہے۔ ہماری وہ حالت ہے کہ ؎

لے تراخارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست — حالِ شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورند

اس بے حسی اور بے تمیزی کی حالت کو دیکھ کر کسی نے پریشان ہوکر کہہ دیا ہے ؎

سے اے بسر اپردہ یثرب بخواب — خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

پھر غضب یہ کہ اس چھ سو روپیہ کو مٹھائی میں بھی صرف نہیں کیا بلکہ اس سے اس مسجد کو سجایا گیا جس میں بیان تھا اور سجایا بھی ہندوؤں کی طرز پر۔ اس میں ایک چھتر بنایا گیا، جھاڑ لٹکائے گئے۔ بہرحال اس مسجد کو ایسا بنایا جیسا معلوم ہو کہ کسی ہندو نے اپنے گھر کو سجایا ہے کیا اس کو محبت کہیں گے؟ ہاں محبت تو ہے مگر اپنے ہی نفس کی۔ ان سے قسم دے کر پوچھا جائے کہ اگر اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے اور آپ سے دریافت کیا جاتا کہ یہ چھ سو روپیہ ہم مٹھائی میں صرف کردیں یا آپ کے جان بازوں پر لگادیں تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ رائے دیتے کہ مٹھائی میں صرف کردو۔

صاحبو کیا کسی دردمند کو ایسے وقت میں مٹھائی کا کھانا بھلا معلوم ہو سکتا ہے۔ ہائے کس منہ سے ایسی حالت میں بھی لوگوں سے مٹھائی کھائی جاتی ہوگی۔ کیسی بے حسی ہے کتنا بڑا ظلم ہے اور پھر غضب یہ ہے کہ یہ لوگ دعوی محبت کرتے ہیں۔ کیوں صاحب آپ نے تو مولود شریف کیا اور ترکوں نے اپنی جان لڑائی تو کون شخص محب رسول ہوا؟ آپ نے ساری محبت کا خلاصہ یہ نکالا ہے کہ سال بھر میں ایک دفعہ مولود کرلیا۔ صاحبو ہمارے جی کو تو یہ محبت نہیں لگتی بلکہ واقع میں اُن کے جی کو بھی نہیں لگتی۔ مگر رسم اور اہل حق کی ضد نے مجبور کر رکھا ہے۔

حکایت حتی کہ ایک صاحب نے ایک اہل حق کی نسبت یہ کہا تھا کہ میں ان کا اس قدر مخالف ہوں

لہ جس شخص کے کبھی کانٹا بھی نہ چبھا ہو اس کو ان لوگوں کی تکلیف کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جو اپنے سروں پر تلواریں کھاتے ہیں ۱۲

سہ اے وہ ذات کہ جو یثرب میں آرام فرما ہے، اٹھ! کہ مشرق و مغرب خراب ہوگئے ۱۲

کہ اگر کسی چیز کو حلال کہیں گے تو میں اس کو حرام کہوں گا اور بالعکس۔ اُن اہلِ حق نے جواب میں کہا کہ میں تو ماں سے نکاح کرنے کو حرام کہتا ہوں اب آپ اس کو حلال کہیے۔ اور میں تو کلمۂ شہادت کو حلال کہتا ہوں آپ حرام کہیے۔ وہ مدعی صاحب تو دم بخود رہ گئے مگر چند روز کے بعد اُن کے ایک شاگرد صاحب پیدا ہوئے کہ میرے استاد کے قول کا مطلب ہی نہیں سمجھے تھے۔ اُن کا مطلب یہ تھا کہ اپنی طرف سے جس کو حلال یا حرام کہیں گے۔ سبحان اللہ۔ کون مسلمان ہے کہ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کہہ دے گا۔

دوسری حکایت

علیٰ ہٰذا ایک اور قصہ ضد کا مجھے یاد آیا کہ دہلی میں ایک شخص نے حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کی بھی دعوت کی اور بعض ان کے مخالفین کی بھی۔ اور ہر ایک کو دوسرے کی خبر نہیں ہونے دی۔ جب سب جمع ہو گئے اور کھانا سامنے آیا تو میزبان نے کہا کہ صاحب یہ شیخ سدو کا بکرا میں نے پکایا ہے۔ اب جس کا جی چاہے کھاؤ اور جس کا جی نہ چاہے نہ کھاؤ۔ شاہ اسحٰق صاحبؒ تو شیخ سدو کے بکرے کو حرام فرماتے تھے انہوں نے ہاتھ کھینچ لیا اور اُن کے ساتھ اُن کے مخالفین نے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔ صاحبِ خانہ نے اُن سے پوچھا کہ آپ تو اس کو جائز کہتے ہیں آپ نے کیوں ہاتھ روکا۔ کہنے لگے کہ بھائی ہے تو حرام ہی مگر ان کی ضد میں اس کو حلال کہہ دیتے ہیں۔ لیکن یہ بھی اُسی مانہ کے لوگ تھے۔ آج تو ہرگز بھی اس کا اقرار نہ کریں بلکہ حرام بھی کھا جائیں۔

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ اُن کو ضد نہیں ہے مگر وہ اس لیے مولود کرتے ہیں کہ سال بھر تک برکت رہے گی۔ رشوت لیں گے تو اس کا وبال نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ رنڈیاں تک مولود کراتی ہیں۔ جن کو کچھ بھی مناسبت دینی اعمال سے نہیں ہے۔

اور بعض لوگ محض اس لیے مولود کراتے ہیں کہ اس کی بدولت کسی تقریب میں رونق ہو جائے گی۔ چنانچہ کانپور میں ایک صاحب نے اپنے لڑکے کی شادی کی اور اُس میں ناچ کرانا چاہا۔ لیکن چونکہ بعض احباب ان کے ایسے بھی تھے کہ وہ ناچ میں شریک ہونا پسند نہ کرتے۔ اس ضرورت سے رونقِ مجلس پوری کرنے کو انہوں نے مولود بھی کرا دیا۔ چنانچہ پہلے مولود ہوا اور اگلے دن اُسی جگہ رنڈی کا ناچ ہوا۔ اب بتلایئے کہ جب یہاں تک نوبت پہونچ جائے تو کیوں کر خاموشی اختیار کی جا سکتی ہے؟ -

(باقی آئندہ)

قسط چہارم

ملفوظات

ملقب بہ

الکلام الحسن

(از حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہم العزیز)

(جمع کردہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور)

(۹۶) ایک شخص نے آکر کہا کہ طلباء کو میرے گھر دعوت پر روانہ کر دیں۔ فرمایا یہ کہیں نہیں جاتے۔ اگر آپکو کھلانا ہو یہاں لے آئیے وہ صاحب کچھ تھوڑی دیر خاموش رہے تو خادم سے فرمایا کہ ان کو سمجھا دو۔ پھر کچھ دیر بعد اس شخص نے کہا کہ اچھا یہاں لاؤں؟ فرمایا کہ یہ تم مجبوری سے کہہ رہے ہو اور جس دعوت میں مجبوری ہو وہ ہم بھی قبول نہیں کرتے۔ رمضان کے بعد اگر تم کو اسی طریقہ سے کھلانا ہو تو منظور کر لیں گے فرمایا کہ طلباء کو لوگ ذلیل سمجھتے ہیں۔ اس واسطے میں ان کو کسی کے گھر جانے نہیں دیتا۔ بھائی کے گھر میں دعوت تھی اور وہ میرا ہی گھر ہے مگر میں نے وہاں بھی انکار کر دیا کہ لوگ کہیں گے کہ وہاں گئے اور ہمارے ہاں نہیں آتے۔ فرمایا کہ ان میں اس کے سوا اور کیا عیب ہے:-

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللهِ — اور انہوں (کفار) نے نہیں بدلا لیا اُن (مسلمانوں) سے مگر اس کا کہ وہ ایمان لائے اللہ پر۔

(۹۷) فرمایا کہ "اصدق الرؤیا"[1] کے خطبہ میں میں نے خوابوں کے بارہ میں لکھا ہے۔ اس کا خطبہ دیکھنے کے قابل ہے۔

(۹۸) فرمایا کہ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ[2] کا مطلب یہ ہے کہ عمل کے لیے علم آسان ہے۔ باقی حقیقت احکام تو بہت مشکل ہے۔ حقیقت اخبار و حکایات بھی عوام نہیں سمجھ سکتے۔ چنانچہ ارشاد ہے لَعَلِمَهُ[3] الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ

(۹۹) فرمایا کہ تملق[4] کی بدنامی سے استغنا[5] کی ملامت میں زیادہ مزا آتا ہے۔ یہ ملامت لذیذ ہے۔

---

[1] حضرت کی ایک تصنیف جس میں بعض حضرات کے خوابوں کی تعبیریں بیان فرمائی ہیں ۱۲ [2] قرآن مجید کی اس آیت میں خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ نا واقف لوگوں کو چاہیے کہ علماء کی طرف رجوع کریں ۱۲ [3] [4] خوشامد ۱۲ [5] بے نیازی ۱۲

(۱۰۰) ایک خط آیا۔ جس میں ایک صاحب نے یہ لکھا کہ دعا، چونکہ رضا، حق کے خلاف معلوم ہوتی ہے اس واسطے کرنے کو طبیعت نہیں چاہتی۔ فرمایا کہ نہیں۔ چونکہ دعا طاعت ہے اور طاعت مامور بہ ہے اس واسطے یہ بھی رضا، حق ہے۔ پھر ایک اہل علم نے دریافت کیا کہ بعض بزرگوں سے اور بعض حضرات انبیاءؑ سے منقول ہے کہ انہوں نے مصیبت میں دعا نہیں کی۔ فرمایا کہ بعض لوگوں پر بعض حالات کا غلبہ ہوتا ہے اور اُن حالات میں یہی مناسب ہے اور اُس کا یہی تقاضا ہوتا ہے کہ دعا، نہ کریں۔ اور تحقیق یہ ہے کہ انسان میں دو چیزیں ہیں۔ ایک عقل اور دوسرے طبیعت۔ عقل کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ہر حالت پر خوش رہے اور طبیعت کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ تکلیف کو دور کیا جائے۔ تو حق تعالیٰ نے ہماری طبیعت کی رعایت فرمائی اور اجازت دے دی کہ تم دعا کرو۔ تو دعا، بھی مامور بہ ہوئی اس واسطے جائز ہے اور کوئی عقل کے مقتضیٰ پر چلے اور دعا، نہ کرے تو بھی جائز ہے۔ اس واسطے بزرگوں سے دونوں حالتیں منقول ہیں۔ اور فرمایا کہ ایک اور چیز ہے۔ وہ اس سے بھی زیادہ دقیق[1] ہے اور کام کی چیز ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی شیون[2] مختلف ہوتی ہیں۔ کسی شان کا مقتضیٰ یہ ہوتا ہے کہ دعا نہ کرنی چاہیے۔ اُس وقت عارف دعا نہیں کرتا اور یہ عرفان حضرات انبیاءؑ اور اولیاء کاملین کو ہوتا ہے اوروں کو نہیں۔ اسی پر وہ عمل کرتے ہیں گویا کہ وہ بادشاہ کے مزاج شناس ہیں جیسے بادشاہ اپنے وزراء اور خواص کو کہتا ہے۔ دیکھو اگر ہم خوش ہوں تو سلام کرو۔ اور اگر ہم کو غصہ میں اور ملال میں دیکھو تو خبردار مت سلام کرو۔ تو مزاج شناس کبھی سلام کرے گا اور کبھی خاموش رہے گا عوام کے لیے اور ضوابط ہوتے ہیں وہ ضابطہ کی پابندی کرتے ہیں۔ ان سے حکومت کا تعلق اور ہوتا ہے جامع عرض کرتا ہے کہ صورت اول باعث عبدیت ہے اور صورت ثانیہ میں حق تعالیٰ کی طرف ضابطہ کی طاعت ہے) اسی بنا پر صلوٰۃ کسوف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد رکوع فرمائے کہ شان کا تقاضہ تھا کہ رکوع کرو۔ حضورؐ نے اُس وقت رکوع کیا۔ اور جب یہ تقاضہ تھا کہ قیام کرو تو قیام کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ شیون کے عالم اور مزاج شناس تھے اس واسطے آپؐ نے ایسا کیا اور متعدد رکوع کیے۔ اور باقی لوگوں کو ضابطہ کی نماز کا حکم دیا یہ توجیہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ عارف کے حالات شیون کے لحاظ سے متغیر ہوتے رہتے ہیں۔

[1] باریک ۱۲ — [2] شانیں ۱۲

(۱۰۱) احقر نے عرض کیا کہ حضور کا جواب جو خطوں میں جاتا ہے مختصر ہوتا ہے مگر بہت کافی ہوتا ہے۔ فرمایا کہ ہاں مگر کافی گرم ہوتی ہے۔ لوگ چائے چاہتے ہیں جو ان کو پسند ہو۔

(۱۰۲) ایک شخص نے کہا کہ حضرت نے اپنا دستخط نہیں کیا۔ فرمایا کہ اگر تم میرا دستخط جانتے ہو تو یہ سارا میرا دستخط ہے۔ اگر نہیں جانتے تو نام لکھنے کی صورت میں بھی تم کو کیا پتہ ہے۔

(۱۰۳) فرمایا کہ اصل فاعل[۱] اور منفعل[۲] طبی تحقیق میں طبیعت ہے اور علاج و دوا اُس کی مؤید ہیں۔ علاج کے تین طریق ہیں۔ علاج بالضد، یہ تو یونانی کرتے ہیں اور علاج بالمثل، یہ ہندی کرتے ہیں۔ اور علاج بالخاصہ، یہ انگریز کرتے ہیں اور اس کی مدار نہ مثل پر ہے اور نہ ضد پر۔ تجربہ یہ ہے کہ علاج خواہ بالمثل ہو یا بالضد۔ .... چونکہ اصل فاعل طبیعت ہے تو جس قدر طبیعت قوی ہوگی اُسی قدر مرض کو دفع کرے گی۔ اور جس قدر کم زور ہوگی مرض کو قبول کرے گی۔ تو صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طبیعت کو قوی بنا دیا کیونکہ یہ حکم دے دیا کہ لاعدویٰ[۳] ولا طیرۃ اور ظاہر ہے کہ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو اس کی طبیعت نہایت خوش رہے گی اور قوی رہے گی اس کو کچھ پروا نہ ہوگی۔ اور جس کا عقیدہ یہ ہو کہ بیماری لگ جائے گی اس کی طبیعت نہایت کمزور ہوگی۔ تو صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا انتظام فرمایا کہ طبیعت کمزور ہی نہ ہو اور مرض کو قبول ہی نہ کرے۔

(۱۰۴) ایک حکیم صاحب کا ذکر فرمایا کہ وہ طاعون میں لوگوں کا خوب علاج کرتے ۹۰ (نوے) فی صدی اچھے ہو جاتے حکیم صاحب خوب ان کی خدمت کرتے اور اپنے ہاتوں سے دوا پلاتے۔ مگر ان کو کچھ نہ ہوا۔ اس کے بعد فرمایا کہ طاعون کو جو جہاد سے تشبیہ دی گئی ہے اس کی وجہ دو چار دن سے سمجھ میں آئی ہے۔ ایک حدیث میں فرار من الطاعون کو کالفرار من یوم الزحف قرار دیا ہے۔ یعنی طاعون سے بھاگنا ایسا گناہ ہے جیسا جہاد سے بھاگ جانا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طاعون جہاد کی طرح ہے۔ دوسری حدیث یہ ہے کہ قیامت کے دن جو لوگ طاعون سے مرے ہیں ان کے متعلق نزاع[۴] ہوگا۔ جو لوگ جہاد میں شہید ہوئے ہیں وہ کہیں گے کہ یہ طاعون والے ہمارے بھائی ہیں۔ ہمارے ساتھ رہیں۔ اور دوسرے لوگ جو اور بیماریوں میں مرے ہیں وہ کہیں گے کہ طاعون والے فراش پر مرے ہیں، ہماری طرح ہیں اس واسطے ہمارے ساتھ ہونے چاہییں۔ اس کے بعد اُن کے زخم کا ملاحظہ

---

[۱] اثر کرنے والی ۱۲ [۲] اثر قبول کرنے والی ۱۲ [۳] یعنی مرض لگتا نہیں ۱۲ [۴] جھگڑا ۱۲

کیا جائے گا۔ تو وہ زخم مجاہدین کے زخم کی طرح ہوں گے ویسے ہی خوشبودار ہوں گے جیسے شہداء کے زخم ہیں۔ تو پھر وہ شہداء کے ساتھ ملا دیے جائیں گے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ طاعون والے مثل مجاہدین کے ہیں۔ اور طاعون کو جو جہاد سے تشبیہ دی گئی ہے تو وجہ تشبیہ سمجھنے سے پہلے یہ غور کیا جاوے کہ جہاد میں جو فرار سے منع فرمایا ہے تو اس کی وجہ کیا ہے۔ یعنی جب مسلمان اور کافر مساوی ہوں یا کافر مسلمانوں سے دوچند ہوں۔ اور سامان وغیرہ بھی ہو تو اس صورت میں خواہ کسی کو یقین بھی ہو کہ کفار غالب ہو جائیں گے تو بھی بھاگ جانے کی اجازت نہیں دی حالانکہ عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ جان بچانی فرض ہے تو اس صورت میں اجازت ہو جانی چاہیے تھی۔ مگر شریعت نے اس صورت میں بھی اجازت نہیں دی۔ تو وجہ عدم اجازت کی یہ ہے کہ فرار میں کفار کو حوصلہ ہو جائے گا کہ یہ لوگ کچھ نہیں بے ہمت ہیں تو پھر ایذا دینے کا کفار کو حوصلہ ہو جائے گا اور ہمت بڑھ جائے گی۔ اگر مسلمان نہ بھاگے اور غالب ہو گئے یا سب مارے گئے تو دونوں صورتوں میں کفار کی ہمت ٹوٹ جائے گی اور حوصلہ پست ہو جائے گا کہ یہ بڑی سخت قوم ہے جان دے دینی ان کو آسان ہے مگر بھاگنا مشکل ہے۔ تو غلبہ کی صورت میں اور مغلوبیت کی صورت میں ہیبت مسلمانوں کی ہو گی اور کفار کو آئندہ جنگ کا حوصلہ اور ہمت نہ ہو گی۔ اس واسطے فرار جہاد سے منع فرمایا۔ جب جہاد سے فرار منع ہونے کی وجہ معلوم ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ طاعون جہاد کی طرح ہے تو اب طاعون سے فرار کی ممانعت کی وجہ سنیے۔ وہ یہ ہے کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ طاعون من وخز الجن ہے یعنی شیاطین کا طعن ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طاعون شیاطین کے طعن اور ایذاء سے ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے شیاطین کو کچھ قدرت دے رکھی ہے کہ مسلمانوں کو ایذا دے۔ جیسا:-

مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِضُرٍّ   شیطان نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔

سے اور باقی نصوص سے معلوم ہوتا ہے۔ تو گویا طاعون بھی کفار شیاطین سے جنگ ہے اور طاعون سے بھاگنے میں شیاطین کو حوصلہ ہو جائے گا کہ مسلمان ہم سے ڈر گئے اور آئندہ اغوا کرنے کا اور ایذا دینے کا حوصلہ شیاطین کا بڑھ جائے گا۔ اس واسطے وہاں ہی رہے تاکہ شیطان کو حوصلہ نہ ہو۔ ایک صاحب نے اس موقعہ پر عرض کیا کہ جس جگہ طاعون ہو وہاں جانے سے کیوں منع فرمایا ہے؟ فرمایا وجہ یہ ہے کہ جہاد میں جانا مفید ہے کیونکہ انبوہ اور ہجوم اس موقعہ پر مفید ہے۔ کفار پر رعب ہو گا۔ اور

طاعون میں جانا اس لیے مفید نہیں کہ شیاطین نظر نہیں آتے اور ہم ان کو قتل نہیں کر سکتے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ طاعون قہر خداوندی ہے۔ بنی اسرائیل پر اول قہر خداوندی بشکل طاعون مسلط کیا گیا اس واسطے قہر کی جگہ جانے کی ممانعت فرما دی گئی۔ اور جہاد اس کے عکس ہے۔ اس واسطے جہاد میں جانا تو مفید ہے، اجازت ہے اور ثواب کا کام ہے اور طاعون میں مفید نہیں۔ اس واسطے منع فرما دیا۔

بعض لوگ جو طاعون میں اذان کہتے ہیں اس کی وجہ بھی یہی ہے۔ چونکہ ایک حدیث میں ہے:-

الطاعون من وخز الشیاطین — طاعون شیطان کے اثر سے ہے۔

اور دوسری حدیث یہ ہے:-

اِذَا تَغَوَّلَتِ الْغِیلَانُ نَادٰی بِالْاَذَانِ — جب شیاطین نظر آویں[1] تو اذان دی جاوے۔

اِن دو حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اذان دینی چاہیے۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو دریافت کیا کہ اگر اذان پنجگانہ کافی ہے تو دوسری اذان کیوں کہتے ہو۔ اگر وہ کافی نہیں تو دوسری بھی کافی نہیں کیونکہ جب اذان کہو گے شیاطین چلے جاویں گے، پھر واپس آ جاویں گے۔ پھر کیا فائدہ ہوا نیز حدیث ثانی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب غول متشکل ہو اور تم کو معلوم ہو۔ تو اذان کہو اور طاعون میں چونکہ معلوم نہیں ہوتے تو حدیث ثانی کی بنا پر بھی اذان جائز نہ ہوگی۔ یہ سب پیرجی لوگوں نے پیٹ کے لیے بنا رکھا ہے۔ ختم فاتحہ کی طرح بنائی ہوئی باتیں ہیں تاکہ عوام ہمارے محتاج رہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل تو معلوم نہیں اور کچھ اناپ شناپ اپنی طرف سے نہ بتائیں تو پھر لوگ رجوع نہ ہونگے اور قابو میں نہ رہیں گے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مولویوں کے پاس نہ جانا۔ میں نے ایک وعظ میں کہا تھا کہ مولویوں کو کچھ نہ دو۔ یہ خود کماتے ہیں۔ مگر مسائل اُن سے دریافت کرو۔ اور پیروں کو خوب دو، صالحین کی اولاد ہیں مگر دین اُن سے نہ دریافت کرو۔

پھر فرمایا کہ طاعون جب جہاد کی طرح ہے تو جہاد میں انتظام کرنا تو جائز ہے۔ جیسے اسلحہ، گولہ بارود وغیرہ۔ مگر بھاگنا جائز نہیں۔ ایسا ہی طاعون میں علاج اور باقی تدابیر تو جائز ہیں مگر بھاگنا جائز نہیں تاکہ شیطان کو ہمت نہ ہو۔ قرآن میں لوگ غور نہیں کرتے ورنہ معلوم ہو جائے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کا غلبہ اپنے دوستوں پر ہوتا ہے دشمنوں پر نہیں ہوتا:-

---

[1] یعنی شیطان نظر آوے ۱۲

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَہٗ   **شیطان کا غلبہ اس کے دوستوں ہی پر ہوتا ہے**

عجیب ہے کہ دنیا میں غلبہ لوگوں کو اپنے دشمن پر ہوتا ہے مگر شیطان کا غلبہ اپنے دشمنوں پر نہیں بلکہ اپنے دوستوں پر ہوتا ہے۔ پس شیطان سے بچنے کی یہ صورت ہے کہ اس سے دشمنی رکھے اور اس کا کہنا نہ مانے اور اس سے نہ ڈرے۔ ابن عطاء اسکندریؒ سے نقل کر کے فرمایا کہ انہوں نے اعوذ پڑھی پھر خاموش ہو گئے اور شیطان کو کہنے لگے کہ تو خوش ہوا ہو گا کہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں۔ ہرگز نہیں تو ہے کیا ؟ کہ تجھ سے ڈر کر اتنی بڑی ذات کے ساتھ پناہ لوں تو کیا کر سکتا ہے۔ میں نے اعوذ صرف اس واسطے پڑھی ہے کہ مولیٰ کا حکم ہے۔ فرمایا اس واسطے وساوس کا علاجِ مشترک یہ ہے کہ شیطان سے کہہ دے کہ جا جو تیرا جی چاہے کر لے جب وسوسہ میں گناہ نہیں تو میں اس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ میں نے شاہجہاں پور میں ایک وعظ میں یہی کہا تھا تو ایک آدمی بعد میں آیا اور بہت دعا دینے لگا اور بہت خوش ہوا۔ میں نے کہا کیا وجہ ہے۔ کہا میں ہر روز ہزار بار درود شریف پڑھتا تھا۔ تو رات میں گو، موت، گتے، خنزیر ایسی چیزیں نظر آتی تھیں اور جس دن نہیں پڑھتا تھا تو خیر ہوتی۔ میں بہت پریشان تھا۔ اس وعظ کے بعد میں نے شیطان سے کہہ دیا کہ خواہ گو میرے منہ میں ڈال تو بھی نہ چھوڑوں گا۔ اس کے بعد اب درود پڑھتا ہوں۔ کچھ نہیں ہوتا۔ پھر فرمایا کہ بھوت جن جہاں نظر آویں وہاں یہی علاج ہے کہ اذان کہہ دو۔ چلے جاویں گے۔

(۱۰۵) فرمایا کہ فقہاء نے سلام کرنے کے مواضع[1] میں جمع بین الضدین کیا ہے۔ بہت ہی دقیق بات ہے یعنی مواضعِ معصیت میں جیسے شطرنج کا کھیل، جوا وغیرہ۔ یا اس کے مشابہ مواضعِ نجاست۔ اور مواضعِ طاعت جیسے نماز، تلاوت وغیرہ دونوں میں سلام کرنا منع ہے۔ اور فرمایا کہ اس کی وجہ معلوم نہ تھی کہ طعام کے وقت سلام کیوں منع ہے (مواضعِ معصیت، مواضعِ طاعت، اور تیسرا حوائجِ بشریہ جو نجاست ہونے میں معاصی کے مشابہ ہے) اور کھانا کھانے کے وقت سلام تو منع ہے۔ کلام منع نہیں۔ وجدان کی طرف رجوع کرنے سے پتہ چل جائے گا کہ کلام کا جواب تو فوراً ضروری نہیں جب فرصت ہو گی تو جواب دیا جائے گا۔ اور سلام کا جواب دینے کا تقاضہ جلدی کا ہوتا ہے۔ اور طعام میں کبھی فوراً جواب دینے سے تکلیف کا اندیشہ ہے کہ شاید گلے میں طعام اٹک جائے۔ اس واسطے سلام منع ہے۔ اور حضرت امام یافعیؒ کا قصہ بیان فرمایا کہ انہوں نے کہا کہ جو شخص عبادت میں مشغول ہو اور اس کو دوسرا اپنی طرف

[1] مقامات ۱۲

متوجہ کرے تو خطرہ غضب الٰہی ہے۔

اَدْرَکَہُ الْمَقْتُ فِیْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ کہ اس وقت اس کو خدا کا غضب آپکڑے۔

اس واسطے ایسے وقت میں سلام کا جواب بھی نہ دیا جاوے۔

(۱۰۶) فرمایا کہ لوگ درحقیقت قلوب کی معرفت کی کوشش نہیں کرتے۔ اس واسطے تاذّی[1] ہو جاتی ہے۔ یعنی لوگ راحت قلب کی کوشش نہیں کرتے اور فکر کو استعمال نہ کرنے کی وجہ سے تکلیف پہنچ جاتی ہے۔

(۱۰۷) فرمایا کہ وظائف کی اجازت لینے میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ کا فساد ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں برکت ہوتی ہے۔ میں نے ایک شخص سے کہا کہ اجازت تو منصوص نہیں اور اس کا ثواب بھی نہیں۔ اور دعا منصوص ہے اور اس پر ثواب بھی ہے۔ اگر دعا کروں تو دل کو ٹٹول کر دیکھ لیا جاوے کہ وہ کیفیت نہ ہوگی جو اجازت میں ہے۔ اجازت کی اصل یہ تھی کہ ایک دفعہ بزرگ وظیفہ سن لیتے تھے تاکہ غلط نہ پڑھا جاوے۔ اب تو مولوی بھی اجازت لیتے ہیں۔ محض رسم اور عقیدہ کا فساد ہے۔

(۱۰۸) فرمایا کہ سو روپیہ کا منی آرڈر آیا کہ مدرسہ کے لیے وصول کرلو اور مدرسہ کی رسید بھی دو۔ میں نے واپس کر دیا اور لکھ دیا کہ مدرسہ میں رسید نہیں۔

(۱۰۹) فرمایا کہ ایک سو روپیہ جو آیا تھا اور رسید کے مطالبہ کی وجہ سے واپس کر دیا تھا۔ آج پھر خط آیا ہے وہ بلا رسید داخل کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ایک شخص نے میرے پاس پچاس روپیہ روانہ کیے۔ میں نے ایک وجہ سے واپس کر دیے مگر اس نے اب تک واپس نہیں کیے۔

(۱۱۰) ایک شخص سے دریافت فرمایا کہ وطن میں کیا شغل ہے۔ اس نے کہا کہ بچوں کو پڑھاتا ہوں۔ فرمایا یہ بہت اچھا ہے بڑوں کو تعلیم دینے میں تو اکثر ایمان فروشی کرنی پڑتی ہے۔

(۱۱۱) فرمایا کہ شروع شروع میں یہاں قصبہ کے لوگوں نے کہا کہ ہم طلبار کو کھانا دیں گے۔ میں نے کہا کہ جیسے مہمان کو بیٹھی میں لگا کر روانہ کرتے ہیں یہاں لاکر دینا منظور ہو تو بہتر ورنہ منظور نہیں۔ چونکہ درخواست اُن کی طرف سے تھی اس واسطے ہم کو شرط لگانے کا حق تھا۔ اگر درخواست ہماری طرف سے ہوتی تو اُن کو شرائط کا حق تھا۔

---

[1] ایذا رسانی ۱۲

(۱۱۲) فرمایا کہ بھانڈ نے ایک جگہ تماشا کیا۔ اس میں جھگڑا ہوا کہ دنیا میں سب سے بہتر قوم کون ہے اور سب سے زیادہ منحوس کون؟ تو اس پر اتفاق ہوا کہ سب سے بہتر ہماری قوم ہے اور سب سے زیادہ منحوس ملّاؤں کی قوم ہے کیونکہ ہم تو شادی کے موقع پر حاضر ہوتے ہیں۔ اور مُلّا۔۔۔ موت کے وقت۔ پھر فرمایا کہ ایک محلہ میں ایک رئیس بیمار تھے۔ موذن سے درخواست کی کہ ہمارے لیے دعا کرو میں نے کہا کہ بے چارہ ظاہر میں تو دُعا کرتا ہوگا مگر دل میں یہ کہتا ہوگا کہ کب مرے کہ کچھ ہاتھ آوے۔

(۱۱۳) فرمایا کہ میں چندہ کی تحریک کا مخالف نہیں۔ مگر اس کے طریقے کا مخالف ہوں۔ یہ تحریک رؤسا کو کرنی چاہیے علماء نہ کریں۔ کیونکہ رؤسا خود بھی دیتے ہیں اور علماء چونکہ عموماً خود نہیں دیتے۔ اس واسطے شبہ ہوتا ہے کہ محض اپنے کھانے کے لیے کر رہے ہیں۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ چندہ کے لیے مجمع میں چادر لے کر پھرنے کی اجازت ہے کیونکہ اس میں لوگوں کو سہولت پہونچانے کی نیت ہے۔

(۱۱۴) فرمایا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے لاکھوں روپیہ کھائے اور کسی نے حساب دریافت کیا تو کہا کہ حساب ہمارے پاس نہیں ہے۔ یہ جواب تو تب درست ہوتا جب لوگ خود روپیہ دیتے اور جب طلب کرنے پر روپیہ ملا ہے تو حساب دینا چاہیے۔ کیا نبوت کے ساتھ حرام خوری بھی جمع ہو سکتی ہے؟۔

(۱۱۵) ایک بزرگ کی نسبت فرمایا کہ ان کا معمول تھا جب اُن سے کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو جواب سے قبل یہ سوچتے کہ اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ مسئلہ دریافت کرتا اور میں جواب دے سکتا تو جواب دے دیتا ہوں ورنہ نہیں۔ بہت عجیب مراقبہ ہے۔

(۱۱۶) فرمایا کہ ایک شخص نے خط میں لکھا ہے کہ "بیعت کر لو تاکہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور دین پر پختگی پیدا ہو جائے"۔ فرمایا کہ جواب لکھ دیا ہے کہ "چونکہ بیعت پر اس ثمرہ کا مرتب ہونا ضروری نہیں اس لیے بیعت نہیں کرتا کیونکہ جب بیعت ہونے کے بعد یہ ثمرہ نہ پاؤ گے تو بیعت کو بے کار اور عبث جان کر نادم ہو گے۔ اس واسطے پہلے عقیدہ کی اصلاح کرو"۔

(باقی آئندہ)

قسط

بشائر النبیین

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی

پس اگر فارقلیط سے روح القدس مراد لی جائے تو وہ حضرت عیسیٰؑ کے کسی طرح مغائر نہیں کیونکہ نصاریٰ کے نزدیک ابن اور روح القدس میں حقیقی اتحاد ہے۔

نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ "جو کچھ میں نے تمھیں کہا، یاد دلائے گا۔" حالانکہ کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حواری حضرت عیسیٰؑ کے ارشادات فراموش کر چکے تھے پھر روح القدس نے ان کو یاد دلائے۔

نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ "وہ میرے لیے گواہی دے گا" سو یہ وصف صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی صادق آسکتا ہے کہ آپؐ ہی نے آ کر منکرین اور یہود کے سامنے حضرت مسیحؑ کی گواہی دی اور اُن لوگوں کے سامنے کہ جو حضرت مسیحؑ سے منکر یا بے خبر تھے آپؐ ہی نے حضرت مسیحؑ کی رسالت کا اعلان کیا۔

بخلاف روح القدس کے وہ حضرت عیسیٰؑ کے حواریین پر نازل ہوئی اور حواریین پہلے ہی سے حضرت مسیحؑ کو رسول جانتے تھے۔ اُن کے سامنے گواہی دینے کی کوئی حاجت نہ تھی۔

گواہی کی ضرورت تو منکرین کے سامنے تھی نہ کہ مومنین کے سامنے۔ بخلاف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ آپؐ نے یہود کے سامنے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر اور دشمن تھے علی الاعلان حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی نبوت ورسالت کی گواہی دی۔ نیز حضرت مسیحؑ اس فارقلیط کی نسبت یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "مجھ میں اُس کی کوئی چیز نہیں" سو یہ جملہ آں حضرتؐ ہی پر صادق آسکتا ہے اس لیے کہ روح القدس تو حضرت عیسیٰ کے ساتھ متحد ہے اس کی نسبت یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں

نیز یہ بھی قابل غور ہے کہ اس روح نے کون سی آئندہ کی خبریں بتلائیں کہ جس سے اس روح کو اس بشارت کا

نیز حضرت عیسیٰ کے رفع الی السماء کے بعد سے عامۂ نصاریٰ فارقلیط کے منتظر رہے اور یہ سمجھتے تھے کہ کوئی عظیم الشان نبی مبعوث ہوگا۔ چنانچہ منتس عیسائی نے دوسری صدی عیسوی میں یہ دعویٰ کیا کہ میں وہی فارقلیط ہوں کہ جس کی حضرت مسیح نے خبر دی ہے۔ بہت سے لوگ اس پر ایمان لے آئے۔ جس کا مفصل تذکرہ ولیم میور مسیحی نے اپنی تاریخ کے تیسرے باب میں لکھا ہے۔ اور یہ کتاب ۱۸۴۸ء میں طبع ہوئی۔

اور لب التواریخ کا مصنف جو کہ ایک مسیحی عالم ہے لکھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل یہود و نصاریٰ ایک نبی کے منتظر تھے۔ اور اسی وجہ سے نجاشی شاہ حبشہ جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کا حال سن کر ایمان لایا اور کہا کہ بلاشک یہی وہ نبی ہیں کہ جن کی حضرت مسیح نے انجیل میں خبر دی ہے حالانکہ نجاشی انجیل کا عالم ہونے کے علاوہ بادشاہ بھی تھا۔ کسی قسم کا اس کو خوف و خطر بھی نہ تھا۔

اور مقوقس شاہ قبط نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والانامہ کے جواب میں یہ لکھا:۔

سلام علیك اما بعد فقد قرأت كتابك وفهمت ما ذكرت فيه وما تدعو اليه وقد علمت ان نبيا قد بقي وقد كنت اظن انه يخرج بالشام وقد اكرمت رسولك۔	سلام ہو آپ پر۔ امابعد۔ میں نے آپ کے والانامہ کو پڑھا۔ اور جو کچھ آپ نے اس میں ذکر فرمایا ہے اور جس کی طرف دعوت دی ہے اس کو سمجھا۔ مجھ کو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ اب صرف ایک نبی باقی رہ گیا ہے میرا گمان یہ تھا کہ وہ نبی شام میں ظاہر ہوگا۔ اور میں نے آپ کے قاصد کا اکرام کیا۔

مقوقس اگرچہ اسلام نہ لایا مگر اتنا اقرار ضرور کیا کہ ایک نبی کا آنا باقی رہ گیا ہے۔

اور جارود بن علاء جو اپنی قوم میں بہت بڑے عالم تھے جب اپنی قوم کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تو یہ کہا:۔

والله لقد جئت بالحق ونطقت بالصدق لقد وجدت وصفك في الانجيل وبشر بك ابن البتول۔ فطول التحية لك والشكر لمن اكرمك	خدا کی قسم آپ حق لے کر آئے ہیں اور آپ نے سچ فرمایا البتہ تحقیق میں نے آپ کی صفت انجیل میں پائی ہے اور مسیح بن مریم نے آپ کی بشارت دی ہے۔ آپ کے لیے طویل دعریض تحیہ و تکریم پیش کرتا ہوں۔ اور شکر ہے اس کے

صد یدلك اشهد ان لا الہ الا اللہ و انك محمد رسول اللہ

یقین کے بعد شک کی ضرورت نہیں۔ اپنا دست مبارک بڑھایئے میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً آپ محمد رسول اللہ ہیں۔

اور علیٰ ہذا ہرقل شاہِ روم اور دوسرے ذی شوکت علماء توراۃ وانجیل نے آپؐ کی نبوت و رسالت کا اقرار کیا۔ جن کو خدا تعالیٰ نے توفیق دی اور کسی دنیوی طمع نے ان کو نہ گھیرا وہ اس دولت سے متمتع ہوئے ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا ۚ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ ۝

اور سولھویں آیت کا یہ جملہ "کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے" اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فارقلیط خود بذاتہٖ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا اس لیے کہ فارقلیط یعنی روح جس کے نصاریٰ قائل ہیں وہ بھی ہمیشہ اُن کے ساتھ نہ رہا۔

بلکہ مراد یہ ہے کہ اُس کی شریعت اور دین ابد تک رہے گا اور اس کے بعد کوئی دین نہ آئے گا جو اس کے لیے ناسخ ہو۔

اور باب چہاردہم کی سترھویں آیت کا یہ جملہ یعنی سچائی جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے اور نہ جانتی ہے۔ آھ۔

اس کا یہ مطلب ہے کہ دنیا اس کے مرتبہ کو نہیں جانتی۔

نصاریٰ کے چند شبہات و اوہام اور اُن کا ازالہ

شبہ اوّل: روح الحق اور روح القدس سے اقنوم ثالث مراد ہے۔ لہذا روح القدس اور روح الحق سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد لینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

ہادی اور مضل کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔

چنانچہ یوحنا کے پہلے خط کے باب چہارم میں ہے:۔

(۱) اے عزیزو! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو بلکہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں (۲) خدا کی روح کو تم اس طرح پہچان سکتے ہو کہ جو کوئی روح اقرار کرے کہ یسوع مسیح مجسم ہو کر آیا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے (۳) اور جو کوئی روح یسوع کا اقرار نہ کرے وہ خدا کی طرف سے نہیں۔

اور آیت ششم میں ہے "اسی سے ہم حق کی روح اور گمراہی کی روح کو پہچان لیتے ہیں"۔ اھ

اس مقام پر روح سے واعظِ صادق اور واعظِ مضل مراد ہے۔ اقنوم ثالث کسی کے نزدیک مراد نہیں۔

شبہ ثانیہ اس بشارت میں خطاب حوارین کو ہے لہذا روحِ حق کا نزول و ظہور حوارین کی موجودگی اور حیات میں ہونا چاہیے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور حوارین کے صدہا سال کے بعد ہوا ہے۔

جواب۔ حوارین کو خطاب اس لیے کیا گیا کہ اُس وقت وہی حاضر تھے۔ باقی مقصود بالخطاب نہیں چنانچہ انجیل متی کے چھبیسویں باب آیت ۶۴ میں ہے:۔ "میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے"۔ اھ

اب ان مخاطبین کو مرے ہوئے ۱۹ سو سال ہو گئے اور مخاطبین میں سے کسی نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان سے آتے نہیں دیکھا۔

پس جس طرح اس مقام پر مقصود بالخطاب وہ لوگ ہیں کہ جو نزول من السماء کے وقت موجود ہوں گے

اسی طرح اس بشارت میں وہ لوگ مقصود بالخطاب ہیں کہ جو روح حق اور فارقلیط کے ظہور کے وقت موجود ہوں گے۔

شبہ ثالثہ انجیل یوحنا کے باب چہاردہم آیت تیسویں میں جو سردار کا لفظ آیا ہے اُس پر بعض شدید التعصب نصاریٰ تمسخر کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ سردار سے اس

جواب، سردار سے شیطان کا مراد لینا محض تعصب اور حسد پر مبنی ہے ورنہ ماقبل سے روح حق یعنی فارقلیط کا اور اس کے اوصاف کا تذکرہ ہے۔ جس وقت اس فارقلیط کا ظہور ہو اس وقت اُس پر ایمان لانے کی تاکید اکید ہے۔ اور پھر اس کی علت بایں الفاظ ذکر فرمانا:۔

"کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے"۔

یہ جب ہی صحیح ہوسکتا ہے کہ سردار جہاں سے سید العالمین اور سردار انبیاء والمرسلین مراد ہوں۔ ورنہ معاذ اللہ اگر اس مقام پر سردار سے شیطان مراد ہو تو شیطان کا آنا امور متذکرہ بالا کی علت کیسے ہو سکتا ہے؟

دوم یہ کہ وہ شیطان کہاں چلا گیا تھا کہ جس کی نسبت یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ اب آتا ہے۔ کیا وہ پہلے سے موجود نہ تھا؟

سوم یہ کہ سردار کا اطلاق انجیل متی کے باب، دوم کی آیت ششم میں حضرت مسیح بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کیا گیا۔

عبارت انجیل حسب ذیل ہے:۔

"اے بیت لحم یہوداہ کے علاقے تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں۔ کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری امت اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا"۔ آھ

اس عبارت میں سردار سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں جیسا کہ آیت ہفتم سے آیت دوازدہم تک پڑھنے سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے۔

بشارت ہشت و دہم

ازانجیل متی باب ۱۳۔ آیت ۳۱،

"اُس نے ایک اور تمثیل اُن کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہت اس رائی کے دانہ کے مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ ۳۲۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب

ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں"۔ انتہیٰ۔

آسمانی بادشاہت سے شریعتِ اسلامیہ مراد ہے کہ جو ابتدا میں رائی کے دانے کے برابر تھی لیکن چند ہی روز میں اس قدر بڑھی کہ شرق سے غرب تک اور شمال سے جنوب تک پہونچ گئی۔

اور قرآن کریم کی اس آیت شریفہ میں اسی بشارت کی طرف اشارہ ہے:۔

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۔

اور ان کی صفت انجیل میں ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنا پٹھا زمین سے نکالا پس اس کو قوی کیا تو وہ موٹا ہو گیا اور اپنی نال پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور اپنی روز افزوں ترقی سے کسانوں کو خوش کرنے لگا۔ اللہ نے مسلمانوں کو ایسی ترقی اس لیے دی کہ کافروں کو اس وجہ سے غصہ میں لائے۔

اور عجب نہیں کہ اسی مناسبت سے کلمہ طیبہ کو شجرۂ طیبہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو۔ کما قال

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝

اے نبی کریم آپ نے کیا دیکھا نہیں کہ اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ کلمہ طیبہ مثل ایک پاکیزہ درخت کے ہے کہ جس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں ہیں۔ ہر وقت اپنے میوے اللہ کے حکم سے دیتا رہتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتے رہتے ہیں کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول کریں۔

بشارت نوزدہم

از انجیل متی۔ باب بستم۔ آیت اول

آسمان کی بادشاہت اس گھر کے مالک کے مانند ہے جو سویرے نکلا تاکہ اپنے انگوری باغ میں مزدور لگائے۔ ۲۔ اور اس نے مزدوروں سے ایک دینار روز ٹھہرا کر انھیں باغ میں بھیج دیا۔ پھر وہ دن

جاؤ۔ جو واجب ہے تمہیں دوں گا۔ بس وہ چلے گئے۔ پھر اس نے دوپہر اور تیسرے پہر کے قریب نکل کر ویسا ہی کیا اور کوئی ایک گھنٹہ دن رہے پھر نکل کر اوروں کو کھڑے پایا اور اُن سے کہا تم کیوں یہاں تمام دن بیکار کھڑے رہے۔ انہوں نے اس سے کہا اس لیے کہ کسی نے ہم کو مزدوری پر نہیں لگایا۔ اس نے اُن سے کہا تم بھی باغ میں چلے جاؤ۔ جب شام ہوئی تو باغ کے مالک نے اپنے کارندے سے کہا کہ مزدوروں کو بلا اور پچھلوں سے لے کر پہلوں تک انہیں مزدوری دے دے۔ جب وہ آئے جو گھنٹہ بھر دن رہے لگائے گئے تھے تو انہیں ایک دینار ملا۔ جب ایک دینار ملا تو گھر کے مالک سے یہ کہہ کر شکایت کرنے لگے۔ کہ ان پچھلوں نے ایک ہی گھنٹہ کام کیا ہے اور تو نے انہیں ہمارے برابر کر دیا جنھوں نے دن بھر کا بوجھ اٹھایا اور سخت دھوپ سہی۔ اُس نے جواب دے کر اُن میں سے ایک سے کہا میاں میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا۔ کیا تیرا مجھ سے ایک دینار نہیں ٹھہرا تھا جو تیرا ہے اٹھائے چلا جا۔ میری مرضی یہ ہے کہ جتنا تجھے دیتا ہوں اُس پچھلے کو بھی اُتنا ہی دوں۔ کیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال کو جو چاہوں سو کروں یا تو اس لیے کہ میں نیک ہوں بُری نظر سے دیکھتا ہے۔ اسی طرح آخر اوّل ہو جائیں گے اور اوّل آخر۔ انتہیٰ۔

گھر کے مالک سے ربُّ العزت مراد ہیں اور انگور کے باغ سے دینِ الٰہی مراد ہے اور مزدوروں سے اُمتیں مراد ہیں۔ اور مزدوروں کی وہ جماعت کہ جس نے سب سے آخر میں ایک گھنٹہ کام کیا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے جو سب سے اخیر میں تھی اور سب سے اول ہو گئی۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:۔

عن ابن شهاب عن سالم بن عبد الله عن ابيه ان اخبره انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول انما بقاءكم فيما سلف قبلكم من الامم كما بين صلوة العصر الى غروب الشمس اوتى اهل التوراة التوراة	ابن شہاب نے سالم سے اور سالم نے عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ تمہارا دنیا میں رہنا بمقابلہ امم گزشتہ ایسا ہے جیسا نماز عصر سے غروبِ شمس تک۔ تورات والوں کو تورات دی گئی۔ کام کرنا شروع کیا۔ جب دوپہر ہوئی تو تھک گئے

فاعطوا قیراطا قیراطا ثم اوتی اھل الانجیل الانجیل فعملوا الی صلوۃ العصر ثم عجزوا فاعطوا قیراطا قیراطا ثم اوتینا القرآن فعملنا الی غروب الشمس فاعطینا قیراطین قیراطین فقال اھل الکتابین ای ربنا اعطیت ھٰؤلاء قیراطین واعطیتنا قیراطا قیراطا ونحن اکثر عملاً قال اللہ عزوجل ھل ظلمتکم من اجرکم من شئ قالوا لا قال فھو فضلی اوتیہ من اشاء۔

(صحیح بخاری باب المواقیت ص۷۹ ج ۱)

پھر انجیل والوں کو انجیل دی گئی۔ نماز عصر تک کام کیا۔ پھر تھک گئے۔ ان کو بھی ایک ایک قیراط دے دیا گیا۔ پھر ہم کو قرآن کریم دیا گیا۔ ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا۔ ہم کو دو دو قیراط دیے گئے۔ تو، توریت اور انجیل والوں نے یہ کہا کہ اے پروردگار آپ نے ان کو دو دو قیراط دیے اور ہم کو ایک ایک حالانکہ ہمارا عمل زیادہ ہے۔ اللہ عزوجل نے یہ ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے تمہاری اُجرت میں کچھ کمی کی ہے؟ کہا نہیں۔ پس فرمایا رب العزت نے یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں دوں۔

اور انجیل متی کی سولھویں آیت کا یہ جملہ کہ ”اسی طرح آخر اول ہو جائیں گے اور اول آخر“ بعینہ صحیح بخاری کی اس حدیث کے مطابق ہے:۔

حدثنا ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نحن الآخرون السابقون

(بخاری شریف ص۱۲۲ ج ۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ نحن الآخرون السابقون۔

یعنی زمانہ کے لحاظ سے سب سے اخیر میں ہیں۔ مگر دخول جنت میں حق تعالیٰ شانہ کے فضل سے سب سے مقدم ہیں۔

بشارت بستم[۲۰] و بست و یکم[۲۱]

از انجیل برنابا

نقل القسّیس سیل فی
مقدمۃ ترجمۃ للقرآن العظیم
من انجیل برنابا وطبعت
۱۸۵۴ء وانتشرت ثم
طبعوا الکتاب مرۃ ثانیۃ
فاخرجوها وحذفوها
وھی ما نصھا اعلم یا برنابا
ان الذنب وان کان صغیراً
یجزی اللہ علیہ لان اللہ
تعالٰی غیر راضی عن
الذنب ولما اجتنی امتی
وتلامیذی لاجل الدنیا
سخط اللہ لاجل ھذا
الامر واراد باقتضاء
عدلہ ان یجزیھم فی
ھذا العالم علی ھذہ
العقیدۃ الغیر اللائقۃ لیحصل

پادری سیل نے اپنے ترجمۂ قرآن عظیم
کے مقدمہ میں انجیل برنابا سے نقل کیا
اور یہ انجیل ۱۸۵۴ء میں طبع ہو کر
شائع ہوئی۔ لیکن دوسری طباعت
میں اس بشارت کو حذف کر دیا۔ اور
وہ بشارت جس کو پادری سیل نے نقل
کیا ہے یہ ہے :۔ کہ اے برنابا گناہ اگرچہ
چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالٰی اُس کی
جزاء دیتے ہیں اس لیے کہ حق تعالٰے
گناہ سے راضی نہیں۔ میری امت
اور میرے شاگردوں نے جب
دنیا کے لیے گناہ کیا تو اللہ تعالٰے
ناراض ہو گئے اور باقتضاء عدل و
انصاف یہ ارادہ فرمایا کہ ان کو اسی
دنیا میں اسی غیر مناسب عقیدے کی
بناء پر سزا دے تاکہ عذاب جہنم
سے نجات پا جائیں۔ اور وہاں ان کو

لهم النجاة من عذاب جهنم
ولا يكون لهم اذية هنالك
واني وان كنت بريئا لكن
بعض الناس لما قالوا في حق
انه الله وابن الله كره
الله هذا القول واقتضت
مشيئة بان لا تضحك الشياطين
يوم القيمة علي ولا يستهزءون
بي فاستحسن بمقتضى لطفه
ورحمة ان يكون الضحك و
الاستهزاء في الدنيا بسبب
يهوداه وبظن كل شخص
اني صلبت لكن هذه الاهانة
والاستهزاء يبقيان الى ان
يجيئ محمد رسول الله
فاذا جاء في الدنيا ينبه كل
مومن على هذا الغلط و
ترفع هذه الشبهة من
قلوب الناس . انتهت ترجمته
بحروفها۔

کوئی تکلیف نہ ہو اور میں اگرچہ اس
عقیدہ فاسدہ سے بالکل بری ہوں
لیکن چونکہ بعض لوگوں نے مجھ کو اللہ اور
ابن اللہ کہا تو اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا ناگوار
ہوا اور اس کی مشیت اس کی مقتضی
ہوئی کہ قیامت کے دن شیاطین مجھ پر
نہ ہنسیں اور نہ میرا مذاق اڑائیں پس
اللہ نے اپنی مہربانی اور رحمت سے
یہ پسند کیا کہ یہوداہ کی وجہ یہ ہنسی دنیا
دنیا ہی میں ہو۔ اور ہر شخص یہ گمان
کرتا رہا ہے کہ میں سولی دے دیا گیا
لیکن یہ اہانت و استہزاء فقط محمد
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کے
آنے تک رہے گا۔ پس جب آپ
دنیا میں تشریف لائیں گے تو ہر مومن
کو اس غلطی پر متنبہ فرمائیں گے۔ اور
یہ شبہ لوگوں کے دلوں سے مرتفع ہو
جائے گا۔ ترجمہ بلفظہا ختم ہوا۔

قال في اظهار الحق فان
اعترضوا ان هذا الانجيل

اظہار الحق میں ہے کہ اگر لوگ یہ
اعتراض کریں کہ اس انجیل کو علماء

لا اعتبار له دهم وهذا من الاناجيل القديمة و يوجد ذكره في كتب القرن الثاني والثالث فعلى هذا كتب قبل ظهور نبينا صلى الله عليه وسلم بمائتي سنة ولا يقدر ان يخبر بمثل هذا الامر من غير الهام كما لا يخفى على ذوي الافهام۔

کہ اس رد کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لیے کہ یہ انجیل قدیم انجیلوں میں سے ہے اس کا تذکرہ دوسری اور تیسری صدی عیسوی کی کتابوں میں ہے پس اس بنا پر یہ انجیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے دو سو ۲۰۰ سال قبل لکھی گئی ہے۔ اور اس جیسے عظیم الشان امر کی بدون الہام کے خبر دینا اہل فہم کے نزدیک ناممکن ہے۔

قال والبشارة الثانية قال الفاضل الحيدر علي القرشي في كتابه المسمى خلاصة سيف المسلمين الذي هو في لسان الاردو اي الهندي في الصحيفة الثالثة ان القسيس اوسكان الارمني ترجمة كتاب اشعياه عليه السلام باللسان الارمني في سنة ۱۶۶۶ الف وستمائة وست وستين وطبعت سنة ۱۷۳۳ وفيه في الباب الثاني و الاربعين هذه الفقرة

(دوسری بشارت) فاضل حیدر علی قرشی اپنی کتاب خلاصہ سیف المسلمین جو اردو زبان میں ہے کہ پادری اوسکان ارمنی نے صحیفہ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارمنی زبان میں سنہ ۱۶۶۶ عیسوی میں ترجمہ کیا جو سنہ ۱۷۳۳ء میں طبع ہوا۔ اس میں صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام کے بیالیسویں باب میں یہ فقرہ موجود ہے۔

ونصها۔

"وسبحوا الله تسبيحًا جديدًا واثر سلطنته على ظهره واسمه احمد" انتهت وهذه الترجمة موجودة عند الارا من فانظر وافيها۔ انتهى كلامه كذا فى الجواب الفسيح لما لفقه عبد المسيح ص۱۷/ج۱	"اللہ کی تسبیح پڑھو۔ اس آنے والے پیغمبر کی سلطنت کا نشان اس کی پشت پر ہوگا (یعنی مہر نبوت) اور اس کا نام احمد ہوگا"۔ انتہی۔ اور یہ ترجمہ ارمینیوں کے پاس موجود ہے اس میں دیکھ لیا جائے۔ انتہی کلامہ از جواب فسیح ص۹۷ ج۱

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلامٌ على المرسلين والحمد لله رب العلمين

بيراع العبد الضعيف المدعو
بمحمد ادريس الكاندهلوى
غفر الله ولوالديه واولاده امين
برحمتك يا ارحم الراحمين۔ يا
ذا الجلال والاكرام ؞

يوم الجمعة بعد صلوة العصر ۲۴ جمادى الثانية سنة ۱۳۴۷ هجرى۔ بلدة حيدرآباد دكن صانها الله تعالى عن الآفات والفتن۔ امين

قسط سوم

فتح الغفور

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ قرآن کریم اور حدیث شریف سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سوال کافر اور مومن سب سے ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حق جل شانہ کا یہ ارشاد:۔

یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ	اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (یعنی کلمہ طیبہ) کی
الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ	برکت سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے اور ظالموں (کافروں)
وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ وَیَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ۝	کو بچلا دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

یہ آیت سوال قبر کے بارہ میں نازل ہوئی اور لفظ ظالمین جو آیت میں واقع ہے وہ کافر اور منافق سب کو شامل ہے اور احادیث اس بارہ میں بکثرت آئی ہیں۔ بخاری کی بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں واما الکافر والمنافق واو عطف کے ساتھ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر اور منافق دونوں سے سوال ہوتا ہے اور بعض روایات میں واما الکافر کا لفظ آیا ہے۔ اور بعض روایات میں واما الرجل السوء یعنی برا آدمی کا لفظ آیا ہے۔ اور جن روایات میں واما المنافق او الکافر اَوْ حرف تردید کے ساتھ آیا ہے اس سے شک اور تردد مراد نہیں بلکہ مراد تعمیم ہے یعنی منافق ہو یا کافر۔

غرض یہ کہ احادیث کثیرہ صراحۃً اس پر دلالت کرتی ہیں کہ کافر سے بھی سوال ہوتا ہے اور حکیم ترمذی نے اسی پر جزم کیا ہے۔ اور یہی جمہور کے نزدیک راجح اور مختار ہے۔ کسی روایت میں فقط کافر کا ذکر ہے اور کسی میں فقط منافق کا، اور کسی میں دونوں کا۔ پس ان احادیث صریحہ کے ہوتے ہوئے تعجب ہے کہ حافظ سیوطی نے حافظ ابن عبد البر کے قول کو ترجیح دی اور جمہور کے خلاف کیا۔

گذشتہ اشعار میں کافر مکلف کے بارہ میں کلام تھا اب اس شعر میں کافروں کے نابالغ بچوں کا حکم ذکر فرماتے ہیں۔ وہ یہ کہ اطفال مشرکین کے سوال کے بارہ میں امام ابوحنیفہؒ سے توقف منقول ہے یعنی نہ یہ فرمایا کہ ان سے سوال ہوتا ہے اور نہ یہ فرمایا کہ سوال نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

اسم الملکین وصفتھا

(قبر میں سوال کرنے والے فرشتوں کا نام اور ان کا حلیہ)

إِذَا تَوَلَّى النَّاسُ مِنْ بَعْدِ الدَّفْنِ (۹۶) تُرَدَّتْ إِلَيْهِ رُوحٌ اِلَى الْبَدَنِ

جب لوگ مُردہ کو دفن کر کے واپس ہو جاتے ہیں تب میت کی روح اس کے بدن کی طرف واپس کی جاتی ہے اور بدن میں روح ڈالنے کے بعد سوال ہوتا ہے۔

وَكُلُّهُ يُحْيٰى لَدَى الْجُمْهُورِ (۹۷) لَاجُزْؤُهٗ لِظَاهِرِ الْمَأْثُورِ

اور بدن کے تمام اجزاء میں جان ڈالی جاتی ہے اور تمام بدن زندہ کیا جاتا ہے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے اور یہی ظاہر احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ بدن کے کسی خاص جزء کو زندہ کیا جاتا ہے۔

وَجَاءَ فِي الْمُنْكَرِ وَالنَّكِيرِ (۹۸) وَصْفُهُمَا بَيْنَ الْوَرٰى شَهِيرٌ

اور منکر اور نکیر کا ذکر حدیث میں بہت آیا ہے اور ان کا حلیہ اور ہیبت لوگوں میں مشہور ہے

(تنبیہ) اس شعر میں ایک نسخہ تو یہ ہے جاء فی المنکر الخ۔ اس صورت میں نکیر اور شہیر کی راء کو ساکن پڑھیں گے کیونکہ نکیر تو مجرور ہے اور شہیر مرفوع ہے اس لیے کہ وصفہما کی خبر ہے حرکت کے ساتھ دونوں کو یکساں نہیں پڑھا جا سکتا۔ اور ایک نسخہ اس طرح ہے وجاءہ المنکر والنکیرُ اس صورت میں نکیر اور شہیر کو رفع اور اشباع کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں کیونکہ اس صورت میں النکیر بھی فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔

جَعْدَانِ اَزْرَقَانِ اَسْوَدَانِ (۹۹) شَعْرُهُمَا يَسْحَبُ الرِّجْلَانِ

بال ان کے پیچیدہ، آنکھیں نیلگوں، رنگ سیاہ، بال اتنے لانبے کہ پاؤں ان کو کھینچتے اور گھسیٹتے رہیں گے

صَوْتُهُمَا كَمِثْلِ رَعْدٍ قَاصِفٍ (۱۰۰) وَالْعَيْنُ تُرَىٰ مِثْلَ بَرْقٍ خَاطِفٍ

آواز اُن کی مثل بادل کی کڑک کے ہے اور آنکھیں اُن کی بجلی کی طرح چمکتی ہوئی ہیں

اَوْ كَقُدُوْرٍ وَهِيَ مِنْ نُحَاسٍ (۱۰۱) وَكَاللَّهِيْبِ شِبْهُ الْأَنْفَاسِ

یا اُن کی آنکھیں غصہ کی وجہ سے تانبے کی دیگوں کی طرح سرخ ہیں اور اُن کے سانس آگ کے شعلوں کے مشابہ ہیں۔

قَدْ حَفَرَ الْأَرْضَ بِأَنْيَابٍ تُرَىٰ (۱۰۲) مِثْلُ صَيَاصِي بَقَرٍ قَدْ أَثَّرَا

اور اُن کے دانت بیل کے سینگوں کی طرح لمبے ہیں جس سے زمین کو کھود ڈالیں۔ یعنی اُن کے دانت اتنے لمبے ہوں گے کہ زمین تک پہونچے ہوئے ہوں گے کہ اگر اُن سے زمین کھودنا چاہیں تو کھود سکیں۔

وَمَعْهُمَا مِرْزَبَةٌ لَوْ يَجْتَمِعْ (۱۰۳) أَهْلُ مِنًى لِرَفْعِهَا لَمْ تُرْفَعْ

اور ان کے ہاتھوں میں لوہے کا ایک گرز ہوگا جو اتنا بوجھل ہوگا کہ اگر تمام اہل منیٰ یعنی ایک شہر کے باشندے جمع ہوکر اٹھانا چاہیں تو نہ اٹھا سکیں لیکن باوجود اس ثقل کے ان کے ہاتھ میں مثل گھاس کے تنکے کے ہوگا۔

عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (۱۰۴) وَهٰكَذَا الْمَلَائِكُ الْكِرَامُ

منکر ونکیر پر اللہ کی صلاۃ وسلام ہو اور تمام فرشتے ایسے ہی عجیب الخلقت ہیں کہ جو انسان کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی اور بے دیکھی چیزوں کا انکار بے وقوفوں کا کام ہے۔ انسان کا دیکھا ہوا محدود ہے اور بے دیکھا غیر محدود ہے۔ اگر یہ نادان انسان تمام بے دیکھی چیزوں کا انکار کردے تو اس کی حماقت بھی غیر محدود ہوگی۔

فَيَنْهَرَانِهِ وَيُقْعِدَانِهِ (۱۰۵) وَبَعْدَ مَا يُقْعِدُ يَسْأَلَانِهِ

اور پھر اس کو جھڑکیں گے اور ڈانٹیں گے اور بٹھلائیں گے اور بیٹھنے کے بعد اس سے سوال کریں گے۔

عَنْ رَبِّهِ وَدِيْنِهِ سَلِيْبًا (۱۰۶) وَعَنْ نَبِيِّهِ لِكَيْ يُجِيْبَا

ہوگا۔ یعنی قبر میں بیٹھنے کے بعد کفن اس کا بدن سے گر جائے گا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے۔

وَتُرَاهُ ثُمَّ تُلْتَلَاهُ (۱۰۷) وَتُهَلَاهُ ثُمَّ تُهْوَلَاهُ

اور پھر اس کو ڈرائیں گے اور دھمکائیں گے اور چمکائیں گے اور جھڑ جھڑائیں گے

وَكَرَّرَا سُؤَالَهُ فِي الْمَجْلِسِ (۱۰۸) ثَلَاثَ مَرَّاتٍ بِلَا تَأَنُّسٍ

اور بلا کسی اُنس اور نرمی کے سختی کے ساتھ تین مرتبہ مجلس میں سوال کریں گے۔ **ف** تین مرتبہ سوال کی روایت ضعیف ہے۔ مشہور حدیثوں میں صرف ایک ہی مرتبہ سوال کا ذکر آیا ہے ممکن ہے کہ کسی خاص حالت یا کسی خاص شخص سے تین مرتبہ بھی سوال کیا جائے۔ واللہ اعلم عنداللہ

وَهِيَ أَشَدُّ فِتْنَةٍ يَلْقَاهَا (۱۰۹) الْعَبْدُ طُوبَى لِلَّذِي يُوقَاهَا

اور یہ سوالِ قبر کا فتنہ نہایت شدید فتنہ ہے۔ مبارک ہو اس کو کہ جو اس فتنہ سے صحیح سالم نکل جائے۔

يَبْدُو لَهُ هُنَالِكَ الشَّيْطَانُ (۱۱۰) يُومِي إِلَيْهِ قَالَهُ سُفْيَانُ

اور جب قبر میں میت سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تو اس وقت شیطان ظاہر ہوتا ہے اور اپنی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے " انا ربک " میں تیرا رب ہوں (اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے) یہ مضمون حکیم ترمذی نے سفیان ثوری سے نقل کیا ہے۔ حکیم ترمذی فرماتے ہیں کہ اس مضمون کی تائید اُن حدیثوں سے ہوتی ہے کہ جن میں یہ آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دفن میت کے وقت یہ دعا مانگتے تھے

اَللّٰهُمَّ اَجِرْهُ مِنَ الشَّيْطَانِ   اے اللہ تو اس کو شیطان سے پناہ دے۔

جس سے معلوم ہوا کہ اس وقت شیطان کی طرف سے کوئی فتنہ پیش آتا ہے جس کے لیے حضورؐ نے دعا فرمائی۔

وَلَيْسَ عَنْ غَيْرِ اعْتِقَادٍ يُسْأَلُ (۱۱۱) أَتَى بِهٰذَا خَبَرٌ مُفَصَّلُ

اور سوائے اعتقاد اور ایمان کے اعمال وغیرہ کا سوال نہیں ہوتا اور اس بارہ میں ایک مفصل حدیث آئی ہے۔ اور يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ میں قول ثابت سے کلمہ شہادت اور کلمہ ایمان مراد ہے۔ اور عجب نہیں کہ کسی وقت کسی شخص سے اعمال کے متعلق بھی سوال ہو۔ واللہ اعلم

وَبِسَا لِأَنَّ كُلَّ أَهْلِ الْأَرْضِ (۱۱۲) كَحَالِ عِزْرَائِيلَ عِنْدَ الْقَبْضِ

اور منکر اور نکیر وقت واحد میں تمام زمین کے مُردوں سے سوال کرتے ہیں جیسا عزرائیل علیہ السلام وقت واحد میں تمام لوگوں کی روحیں قبض کرتے ہیں۔

هٰذَا الَّذِي نَصَّ عَلَيْهِ الْقُرْطُبِيُّ (۱۱۳) وَهُوَ الَّذِي اخْتَارَهُ وَاجْتَبِي

اور یہی امام قرطبی نے تصریح کی ہے کہ منکر ونکیر کل زمین والوں سے سوال کرتے ہیں۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ میں بھی اسی کو اختیار اور پسند کرتا ہوں۔

وَاخْتَارَ فِي مِنْهَاجِهِ الْحَلِيمِيُّ (۱۱۴) تَعَدَّادُ هٰذَا الْمَلَكِ الْكَرِيمِ

اور حلیمی نے اپنی کتاب منہاج میں یہ اختیار کیا ہے کہ سوال کرنے والے متعدد فرشتے ہیں۔

وَقَالَ بَلْ مَلَائِكُ السُّؤَالِ (۱۱۵) جَمَاعَةٌ كَكَاتِبِ الْأَعْمَالِ

اور یہ کہا کہ سوال کرنے والے فقط دو فرشتے نہیں۔ بلکہ سوال کرنے والے فرشتوں کی ایک جماعت ہے جیسا کہ کاتبین اعمال فرشتوں کی ایک کثیر جماعت ہے۔ اس جماعت میں سے ہر شخص کے لیے علحدہ دو فرشتے مقرر ہیں۔ اسی طرح سوال کے فرشتے بھی ہر شخص کے لیے علحدہ ہیں۔

فَبَعْضُهُمْ بِمُنْكَرٍ يُسَمَّى (۱۱۶) وَبَعْضُهُمْ لَهُ النَّكِيرُ وُسِمَا

کسی کا نام منکر ہے اور کسی کا نام نکیر۔

فَيُرْسِلُ اللّٰهُ لِكُلِّ مَيِّتٍ (۱۱۷) اِثْنَيْنِ مِنْهُمْ بَعْثًا لِلْفِتْنَةِ

اللہ تعالیٰ ہر میت کے لیے اس جماعت میں سے دو فرشتے بھیج دیتے ہیں۔

وَمَنْ يَقُلْ يُمَثَّلُ النَّبِيُّ (۱۱۸) قَالَ عِيَاضٌ مَا هُوَ الْمَرْضِيُّ

بعض علماء کا یہ قول کہ قبر میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی مثال اور تصویر دکھا کر سوال کیا جاتا ہے اور هٰذا الرجل کا اشارہ اسی تصویر کی طرف ہوتا ہے تو قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ قول پسندیدہ نہیں۔

حدیث میں ہے کہ قبر میں فرشتہ یہ کہتا ہے کہ ما علمك بهذا الرجل "اس شخص یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تیرا کیا علم اور کیا عقیدہ ہے"۔

وَهٰكَذَا عَنْهُ أَجَابَ ابْنُ حَجَرٍ (۱۱۹) وَقَالَ لَا أَصْلَ لِهٰذَا فِي الْأَثَرِ

اور جب حافظ ابن حجر سے سوال کیا گیا کہ کیا قبر میں میت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سے حجابات اٹھا دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ میت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے لگتا ہے۔ تو یہ جواب دیا کہ یہ کسی حدیث میں وارد نہیں ہوا۔ انتہٰی۔ پس ظاہر ہے کہ یہ اشارہ حضورؐ کی ذات کی طرف ہے شہرت کی بنا پر اشارہ کر دیا گیا۔ یا حاضر فی الذہن کی طرف اشارہ ہے۔

وَمِنْ غَرِيْبِ مَا تَرَى الْعَيْنَانِ (١٢٠) أَنَّ السُّؤَالَ فِي الْقَبْرِ بِالسُّرْيَانِيْ

اور من جملہ ان غرائب اور نوادر کے جن کو آنکھیں دیکھتی ہیں یہ امر ہے کہ قبر میں سوال سریانی زبان میں ہوتا ہے۔

أَفْتٰى بِهٰذَا شَيْخُنَا الْبُلْقِيْنِيْ (١٢١) وَلَمْ أَرَهُ لِغَيْرِهٖ بِعَيْنِيْ

ہمارے شیخ بلقینی نے ایسا ہی فتویٰ دیا لیکن میں نے سوائے اُن کے اپنی آنکھوں سے کہیں ایسا نہیں دیکھا اور نہ مجھے اس کی کوئی سند ملی۔

حافظ ابن حجر سے سوال کیا گیا تو یہ فرمایا کہ ظاہر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوال عربی زبان میں ہوتا ہے لیکن احتمال ہے کہ ہر شخص سے سوال اس کی زبان میں ہو۔ واللہ اعلم

وَضَبْطُ مُنْكَرٍ بِفَتْحِ الْكَافِ (١٢٢) فَلَسْتُ أَدْرِيْ فِيْهِ مِنْ خِلَافِ

اور منکر فتح کاف کے ساتھ بصیغۂ اسم مفعول ضبط کیا گیا اور ائمہ لغت و حدیث میں سے کسی کا اس میں خلاف نہیں **ف** اور ان دو فرشتوں کو منکر اور نکیر اس لیے کہتے ہیں کہ ان کی صورت نہایت عجیب و غریب ہے۔ نکرہ بمعنی غیر معروف سے ماخوذ ہے۔

وَذَكَرَ ابْنُ يُوْنُسَ بْنِ صَاحِبِنَا (١٢٣) إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْتِيَانِ لِلْمُؤْمِنَاتِ

ابن یونس یہ فرماتے ہیں کہ منکر اور نکیر اُن فرشتوں کا نام ہے جو کافر سے سوال کرتے ہیں اور جو فرشتے مومن سے سوال کرتے ہیں اُن کا نام مبشر و بشیر ہے جیسا کہ آئندہ

اِسْمُهُمَا الْبَشِيْرُ وَالْمُبَشِّرُ (١٢٤) وَلَمْ أَقِفْ فِيْ ذَا عَلٰى مَا يُؤْثَرُ

یعنی اُن کا نام مبشر اور بشیر ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ میں اس بارہ میں کسی اثر اور خبر سے واقف نہیں۔ واللہ اعلم۔

ذکر الملک الثالث والرابع

اکثر روایتوں میں سوال کے لیے دو فرشتوں کا آنا مذکور ہے مگر بعض روایتوں میں تیسرے اور چوتھے فرشتے کا آنا بھی مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔

وَقَدْ اَتٰی فِیْ مُرْسَلٍ ضَعِیْف (۱۲۵) اِنَّ السُّؤَالَ مِنْ ثَلَاثَةٍ یَفِیْ

اور ایک ضعیف الاسناد مرسل روایت میں یہ آیا ہے کہ سوال کے لیے تین یا چار فرشتے آتے ہیں۔

وَرَابِعٍ اُولٰٓئِكَ الْاَتْنَاب (۱۲۶) وَاَلْحَقُوْا نَاكُوْرَ مَعْ رُوْمَان

دو تو وہی منکر اور نکیر اور تیسرا فرشتہ ناکور اور چوتھا رومان۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع اور بے اصل ہے۔ اکثر احادیث میں صرف دو فرشتوں کا ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ تین چار فرشتوں کا آکر سوال کرنا تشدید اور تہویل کے لیے ہو جس پر زیادہ سختی کرنی ہو اس کے لیے سوال کرنے والے فرشتے بڑھا دیے جاتے ہوں۔ اور بعض روایات میں ایک ہی فرشتہ کا ذکر ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ سوال کرنے والا تو ایک ہی ہے اور دوسرا اس کے ساتھ شریک ہے۔

تکرار السؤال سبعة ایام

سات دن تک سوال قبر کا تکرار اور اعادہ

یُكَرَّرُ السُّؤَالُ لِلْاَنَام (۱۲۷) فِیْمَا رَوَوْا فِیْ سَبْعَةِ اَیَّام

بعض روایات میں آیا ہے کہ مُردہ سے قبر میں سات دن تک سوال ہوتا رہتا ہے روزانہ ایک مرتبہ یا تین مرتبہ سوال کرتے ہیں۔

كَذَا رَوَاهُ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَل (۱۲۸) فِی الزُّهْدِ عَنْ طَاؤُسٍ الْجَلِیْلِ الْعَلِیْ

وَبَعْدَهٗ اَبُوْ نُعَیْم اَخْرَجَهْ (۱۲۹) فِیْ حِلْیَةٍ فَیَا لَهَا مِنْ دَرَجَه

ایسا ہی احمد بن حنبل ؒ نے کتاب الزہد میں اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں طاؤس سے روایت کیا ہے۔ اور حلیۃ الاولیاء عجیب کتاب ہے جس کا علماء کی نظر میں ایک خاص درجہ ہے۔

اِسْنَادُهٗ قَدْ صَحَّ وَهُوَ مُرْسَلْ (۱۳۰) وَقَدْ رُوِیْ مِنْ جِهَةٍ تَتَّصِلْ

اور سند اس کی صحیح ہے اور وہ مرسل ہے لیکن متصل سند سے بھی مروی ہے۔

وَحُكْمُهُ الرَّفْعُ كَمَا قَدْ قَالُوْا (۱۳۱) اِذْ لَیْسَ لِلرَّاْیِ بِهٖ مَجَالُ

اور یہ اثر اگرچہ موقوف ہے لیکن حکم میں مرفوع کے ہے اس لیے کہ اس میں رائے اور قیاس کی گنجائش نہیں اور جس میں رائے اور قیاس کو دخل نہ ہو وہ حکم میں مرفوع کے ہوتا ہے۔

وَلَيْسَ لِلْقِيَاسِ فِي ذَا الْبَابِ (۱۳۲) مِنْ مَدْخَلٍ عِنْدَ ذَوِي الْأَلْبَابِ

اور امور آخرت میں قیاس کو دخل نہیں سب کا مدار روایت اور نقل پر ہے۔

وَإِنَّمَا التَّسْلِيمُ فِيهِ اللَّائِقُ (۱۳۳) وَالِاتِّبَاعُ حَيْثُ أَنْبَأَ الصَّادِقُ

خبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبر دی ہے اس کو تسلیم کرنا اور اس پر عمل کرنا فرض اور لازم ہے

وَفِيهِ أَنْ قَدْ كَانَتِ الصَّحَابَةُ (۱۳۴) يَرَوْنَ إِطْعَامًا لَهُ اسْتِحْبَابَهُ

اور اسی طاؤس کے اثر میں یہ بھی ہے کہ سلف کا طریقہ یہ تھا:۔

فِي طُولِ تِلْكَ السَّبْعَةِ الْأَيَّامِ (۱۳۵) مَعُونَةً فِي ذَلِكَ الْمَقَامِ

کہ سات دن تک میت کی طرف سے کھانے کے تصدق کو پسند کرتے تاکہ ان سات دنوں میں جو میت پر سوال کی شدت ہے اس میں میت کو کچھ سہولت ہو۔

وَمِثْلُ ذَلِكَ جَاءَ عَنْ مُجَاهِدٍ (۱۳۶) فَيَا لَهُ مِنْ عَاضِدٍ وَشَاهِدٍ

اور ایسا ہی مجاہد سے منقول ہے اور یہ کیا ہی اچھا مؤید اور شاہد ہے۔

وَعَنْهُ أَيْضًا تَمْكُثُ الْأَرْوَاحُ فِي (۱۳۷) قُبُورِهَا سَبْعًا بِلَا مُنْصَرَفِ

اور مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ روحیں اپنی قبروں میں سات دن تک ٹھیرتی ہیں یہاں تک کہ سوال ختم ہو جائے اور پھر اپنے ٹھکانہ پر پہونچا دی جاتی ہیں۔

رَوَى الْجَمِيعَ فِي الْقُبُورِ ابْنُ رَجَبْ (۱۳۸) وَهُوَ إِمَامٌ حَافِظٌ وَمُنْتَخَبْ

اس سب کو حافظ ابن رجب حنبلی نے کتاب القبور میں روایت کیا ہے جو حدیث کے حافظ اور منتخب امام ہیں۔

وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ وَرَدَا (۱۳۹) وَذَاكَ فِيمَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَسْنَدَا

اور عبید بن عمیر سے منقول ہے جس کو ابن جریج نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا۔

بِأَنَّهُ يُفْتَنُ سَبْعًا مُؤْمِنٌ (۱۴۰) وَأَرْبَعِينَ ذُو النِّفَاقِ يُفْتَنُ

وہ یہ کہ مومن سات دن تک فتنہ سوال میں مبتلا رہتا ہے اور منافق چالیس دن تک مبتلا رہتا ہے

وَابْنُ جُرَيْجٍ اَوَّلُ الَّذِيْنَا (۱۴۱) قَدْ صَنَّفُوا الْعِلْمَ لَنَا تَدْوِيْنَا

اور ابن جریج اُن لوگوں میں سے ہیں کہ جنہوں نے سب سے پہلے امت کے لیے علم حدیث کی تدوین کا آغاز کیا۔

نَصَّ عَلَيْهِ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلِ (۱۴۲) وَغَيْرُهٗ مِنْ كُلِّ حَبْرٍ مُعْتَلِيْ

جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر علماء نے ابن جریج کے متعلق یہ تصریح کی ہے کہ یہ اُن لوگوں میں سے ہیں کہ جنہوں نے عمر بن عبد العزیزؒ کے حکم سے سب سے پہلے علم حدیث میں کتابیں لکھیں۔

وَكَمْ اِمَامٍ قَدْ حَكٰى فِيْ كُتْبِهٖ (۱۴۳) مَا قَدْ عُزِيْ لِابْنِ جُرَيْجٍ فَانْتَبِهْ

اور ابن جریج کی طرف جو منسوب کیا گیا اس کو بہت سے ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

كَحَافِظِ الْمَغْرِبِ ابْنِ عَبْدِ الْبَرِّ فِيْ (۱۴۴) تَمْهِيْدِهٖ وَكَمْ لَهٗ مِنْ مُقْتَفِيْ

جیسا کہ حافظ مغرب یعنی حافظ ابن عبد البر نے اپنی تمہید میں اس کو نقل کیا اور بہت سے لوگوں نے ان کی پیروی میں اس کو نقل کیا۔

تَلَاهُ فِيْ شَرْحِ الْمُوَطَّا الْمَغْرِبِيْ (۱۴۵) اِبْنُ رَشِيْقٍ وَكَذَا ابْنُ رَجَبِ

جیسا کہ ابن رشیق نے شرح موطا میں اور ابن رجب نے اپنی کتاب میں عبید بن عمیر کی روایت نقل کی ہے۔

وَابْنُ عُمَيْرٍ مِنْ مُجَاهِدٍ اَجَلُّ (۱۴۶) كَذَاكَ مِنْ طَاوُسٍ الْحَبْرِ الْبَدَلْ

اور چونکہ بظاہر عبید بن عمیر کی روایت مجاہد اور طاؤس کی روایت کے معارض معلوم ہوتی ہے اس لیے مصنفؒ عبید بن عمیر کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبید بن عمیر مجاہد اور طاؤس کے رتبہ میں بہت بلند ہیں۔

اِذْ فِيْ زَمَانِ الْمُصْطَفٰى قَدْ وُلِدَا (۱۴۷) وَقَالَ قَوْمٌ يَلْقَاهُ سَعْدَا

کیونکہ عبید بن عمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے اور سعد بن ابی وقاصؓ سے ملے۔ اس لیے بظاہر صحابی ہوئے اور صحابی کی روایت تابعی کی روایت سے راجح ہے۔

وَاِنْ يَكُ الرَّاجِحُ اَنْ يُعَدَّا (۱۴۸) فِيْ كُبَرَاءِ التَّابِعِيْنَ جِدَّا

لیکن راجح اور صحیح قول یہ ہے کہ عبید بن عمیر صحابی نہیں بلکہ کبار تابعین میں سے ہیں

بِمَكَّةَ قَدْ قَصَّ فِي عَهْدِ عُمَرَ (۱۴۹) وَذَالِكَ أَوَّلُ أَمْرٍ لَهُ ابْتَكَرْ

عہد عمرؓ میں عبید بن عمیر مکہ میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ عبید بن عمیر سب سے پہلے واعظ ہیں، جن کو حضرت عمرؓ نے وعظ کے لیے مقرر فرمایا۔

فَإِنْ تَقُلْ فَأَكْثَرُ الْأَخْبَارِ (۱۵۰) خَالِيَةٌ مِنْ صِفَةِ التَّكْرَارِ

پس اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اکثر روایتیں تکرار سوال کے ذکر سے خالی ہیں۔ تو یہ عبید بن عمیر کی روایت جو تکرار سوال کے بارہ میں آئی ہے کیسے صحیح ہوگی۔

جَوَابُهُ أَنَّ السُّؤَالَ فِيهَا (۱۵۱) مُجَرَّدًا عَنِ الَّذِي يَنْفِيهَا

جواب یہ ہے کہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں اس لیے کہ جو روایتیں تکرار سوال کے ذکر سے خالی اور ساکت ہیں ان میں تکرار کی نفی نہیں۔

وَكُلُّ مَا جَاءَ مِنَ الْإِفْرَادِ (۱۵۲) يَصْدُقُ بِالْمَرَّةِ وَالتَّعْدَادِ

بلکہ وہ روایتیں مطلق ہیں ایک بار اور چند بار دونوں پر صادق آتی ہیں۔ **ف** اِفراد بکسر الہمزہ مصدر ہے اور بفتح الہمزہ جمع فرد کی ہے۔

فَحُكْمُهَا يَكُ كَحُكْمِ الْمُطْلَقِ (۱۵۳) وَحُكْمُ هٰذَا كَزِيَادَةِ الثِّقَهْ

پس جن روایتوں میں تکرار کا ذکر نہیں وہ حکم میں مطلق کے ہیں اور جن روایتوں میں تکرار کا ذکر ہے وہ بمنزلہ زیادت ثقہ ہیں اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔

أَلَا تَرَى لِلْقُرْطُبِي كَيْفَ صَنَعْ (۱۵۴) بَيْنَ رِوَايَاتٍ بِهَا الْخُلْفُ وَقَعْ

امام قرطبیؒ کا احادیث مختلفہ میں یہی طریق ہے۔

بِأَنَّ رَاوِي الْبَعْضِ لَوْ يَنْفِ الَّذِي (۱۵۵) أَثْبَتَهُ الْآخَرُ فَاجْمَعْ ذِي وَذِي

کہ جب ایک روایت میں کسی شے کی نفی نہ ہو اور دوسری میں اس کا اثبات ہو تو دونوں کو جمع فرما لیتے ہیں اس کو بھی اور اس کو بھی۔

وَجَاءَ عَنْ عَبْدِ الْجَلِيلِ الْقَصْرِي (۱۵۶) فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ قَوْلٌ فَادْرِي

اور امام عبد الجلیل قصری کا قول امام بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے جو آئندہ شعر میں مذکور ہے

الرُّوحُ إِمَّا تَكُ فِي نَعِيمْ (۱۵۷) أَوْ فِي عَذَابٍ دَائِمٍ أَلِيمْ

أَوْ يَكُ مَحْبُوسًا إِلَى الْخَلَاصِ مِنْ (۱۵۸) مَلَائِكِ الْفِتْنَةِ فَافْهَمْ وَاسْتَبِنْ

کہ روح بدن سے جدا ہونے کے بعد یا تو دائمی عیش وآرام میں ہوگی یا دائمی عذاب میں یا ملائکۂ امتحان وعذاب کے ہاتھوں میں محبوس ہوگی۔ یعنی ارواح کی مرنے کے بعد تین حالتیں ہیں۔ نعیم مقیم یا عذاب الیم یا حبس طویل۔

وَعَنْهُ قَدْ أَوْرَدَهُ الْجُزُولِي (۱۵۹) مُرْتَضِيًا فِي حَيِّزِ الْقَبُولِ

اور عبد الجلیل قصری کے اس قول کو جزولی نے بطریق رضا واستحسان نقل کیا ہے۔

وَهٰذِهِ الْمَسْئَلَةُ الشَّرِيفَةُ (۱۶۰) أَوْدَعْتُهَا كُرَّاسَةً لَطِيفَةً

اور تقسیم ارواح کے مسئلہ کو میں نے ایک مستقل رسالہ میں مفصل لکھا ہے۔ جس میں اس کی تفصیل کی ہے کہ ارواح کی تین قسمیں ہیں مُنَعَّم اور مُعَذَّب اور محبوس۔

ضَمَّنْتُهَا فَوَائِدًا نَفِيسَةً (۱۶۱) لِمَنْ لَهُ أَهْلِيَّةٌ أَنِيسَةٌ

جس شخص میں اہلیت اور علم سے انس ہو اس کے لیے اس رسالہ میں بہت سے نفیس فوائد جمع کردیے ہیں

إِذْ شُهِرَتْ عَنِّي مِلَاءَ الْبَلَدْ (۱۶۲) وَلَمْ يَكُنْ لَمْ يَعْرِفْهَا مِنْ أَحَدْ

تمام شہر میں وہ رسالہ مشہور ہوگیا وہ ایسے نادر فوائد پر مشتمل تھا کہ کوئی اُن سے باخبر نہ تھا۔

وَإِنَّمَا بَادَرَ بِالْإِنْكَارِ (۱۶۳) مَنْ لَيْسَ أَهْلَ الْحِفْظِ لِلْآثَارِ

اس رسالہ پر طعن اور انکار میں اُن لوگوں نے سبقت کی جو اہل علم اور اہل حفظ نہ تھے۔

وَمَنْ غَدَا لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْمُعْتَرَكْ (۱۶۴) فَذَاكَ ذُو حَمَاقَةٍ بَلْ ذَا ارَكْ

اور جس نے کبھی علم کا معرکہ اور میدان نہ دیکھا ہو وہ حماقت سے ایسی چیزوں کا انکار کیا کرتا ہے یہ اس کے رکیک اور ضعیف العقل ہونے کی دلیل ہے۔

فَصُنْتُ مَا أَلَّفْتُهُ عَنْ بَذْلِهِ (۱۶۵) فَإِنَّهُمْ لَمْ يَقْتَدُوا مِنْ أَهْلِهِ

اس لیے میں نے اس رسالہ کو نا اہلوں سے محفوظ کرلیا کہ ان لوگوں نے اپنے اساتذہ اور اہل علم کی اقتدا اور تقلید نہیں کی اس لیے علم کی برکات سے محروم رہے۔

وَإِنَّمَا يَصْلُحُ لِلْإِفَادَةِ (١٦٦) ذُو أَدَبٍ تُرْتَجَى لَهُ السِّيَادَةُ

تعلیم اور تلقین کے مناسب وہی شخص ہے کہ جو مؤدب ہو۔ باادب ہی کے لیے سیادت کی امید اور توقع کی جاتی ہے۔

خاتمہ

اَللَّالَكَائِيُّ رَوَى فِي السُّنَّةِ (١٦٧) عَنْ بَعْضِ أَهْلِ الْكَشْفِ أَهْلِ الرُّؤْيَةِ

ابوالقاسم لالکائی نے کتاب السنۃ میں بعض اہل کشف اور اہل بصیرت سے نقل کیا ہے۔

بِأَنَّ ثَمَّةَ مَلَكَيْنِ يَنْزِلَانِ (١٦٨) يُلَقِّنَانِ الْحُجَّةَ حِيْنَ يَسْأَلَانِ

کہ اُن کو بطور کشف یہ دکھلایا گیا کہ دفن کے بعد خاص اہل سنت والجماعت کی تلقین کے لیے دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں جو اُن کو حجت اور برہان کی تلقین کرتے ہیں کہ نکیرین کے جواب میں کوئی غلطی نہ کر بیٹھیں۔

وَعَنْ شَقِيْقٍ أَنَّ مَنْ يُعَانِي (١٦٩) تُعِيْنُهُ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ

اور شقیق بلخی جو مشہور عابد و زاہد ہیں اُن سے یہ منقول ہے کہ جو شخص دیکھ کر قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے تو تلاوت قرآن، قبر میں رکھے جانے کے بعد تلقین حجت میں میت کی امداد کرتی ہے۔

وَفِيْهِ جَاءَتْ عِدَّةُ آثَارٍ (١٧٠) وَبَعْضُهَا أَخْرَجَهَا الْبَزَّارُ

اور شقیق بلخی کے موافق کچھ آثار صحابہ بھی آئے ہیں جن میں سے بعض کو امام بزار نے روایت کیا ہے۔

هٰذَا تَمَامُ مَا أَرَدْتُ نَظْمَهُ (١٧١) وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَتَمَّهُ

جس چیز کے نظم کا میں نے ارادہ کیا تھا یہ اس کا آخر اور خاتمہ ہے اور الحمد للہ کہ اس نے اتمام کی توفیق عطا کی

نَظَمْتُهَا لِلْمُؤْمِنِيْنَ تَبْصِرَهْ (١٧٢) أَرْجُوْ بِهَا التَّثْبِيْتَ عِنْدَ النَّكِرَةْ

یہ نظم اہل ایمان کی بصیرت کے لیے لکھی۔ اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ مجھ کو سوال نکیرین کے وقت ثابت رکھیگا

فِيْ مِائَةٍ وَنِصْفِهَا سَارِيَةْ (١٧٣) أَبْيَاتُهَا كَالْأَنْجُمِ الدُّرِّيَّةْ

چمکتے ہوئے موتیوں کی طرح اس منظومہ کے تقریباً ڈیڑھ سو اشعار ہیں۔

وَأَحْمَدُ اللّٰهَ عَلَىٰ مَا يُلْهِمُ (١٧٤) ثُمَّ عَلَىٰ نَبِيِّهِ أُسَلِّمُ

حق تعالیٰ شانہ کے اس الہام اور القاء پر حمد اور شکر بجا لاتا ہوں اور اس کے نبی محترم پر صلاۃ و سلام پڑھتا ہوں۔

قسط چہارم

دعوۃ الرشاد

از مولانا عبدالحمید صاحب ارشد

(ل۱) "یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر ہر واقعہ آنے والوں کے لیے نمونہ نہیں" (پرویز۔ معارف القرآن۔ جلد ۴ ص۶۹۲)

مثال میں مشرکوں سے اپنی بیٹیوں کی شادی اور کھجوروں میں گابھا لگانے (تابیر) سے منع کرنا لکھا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط[ع۱] ہیں۔ آپؐ نے نبوت کے بعد اپنی کوئی بیٹی کسی مشرک کے نکاح[ع۲] میں نہیں دی۔ بلکہ بی بی زینبؓ (دختر رسولؐ) کو اپنے پاس مدینہ طیبہ میں تب تک روک لیا جب تک کہ ان کا شوہر ابوالعاص بن الربیع اسلام نہ لایا۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں جب وہ مسلمان ہوا تو آپؐ نے اپنی دختر مبارک (زینبؓ) جو ابوالعاص کی بیوی تھیں اس کو واپس کر دیں[ل۱]۔

اب اس میں ہمارے لیے یہی نمونہ ہے کہ اگر زن و شوہر میں سے ایک مسلمان ہو جائے تو دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے گا اور مناسب وقت تک (جو فقہاء مقرر کریں) انتظار کیا جائے گا۔ اگر وہ بھی اسلام لے آئے تو بدستور سابق وہ "میاں بیوی" رہیں گے۔ ورنہ ان میں صاحب اختیار قاضی کے حکم سے تفریق کر دی جائے گی۔

دوسری بات "تابیر نخل" سے منع کرنے کے متعلق بھی واضح رہے کہ اس کی پابندی ہم پر لازم تھی، اگر آپؐ دوبارہ اس "تابیر" کی اجازت صادر نہ فرماتے۔ اس میں بھی ہمارے لیے یہ نمونہ ہے کہ اگر آپؐ ایک بات سے منع فرمائیں اور پھر اس کے بعد اس کی اجازت دے دیں تو اجازت سمجھی جائے گی۔ کیونکہ آپؐ کے حق میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (کہ آپؐ محض اپنی خواہش سے کبھی نہیں بولتے (بلکہ وحی

ع۱ یعنی ان دونوں باتوں سے یہ نتیجہ نکالنا کہ "ان میں ہمارے لیے قابل اتباع نمونہ نہیں" غلط ہے ۱۲ ارشد

ع۲ یہ نکاح نبوت سے پہلے کا تھا ۱۲ ارشد

ل۱ زاد المعاد ج ۲ ص۱۸-۲۰

والہام (یا حق کا اشارہ پاکر بولتے ہیں)

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ الآیہ کے تحت یہ خوشامد کرکے لکھا ہے:۔

(ل) "اس میں اللہ اور رسول سے مراد ہی مرکزِ ملت Central Authority ہے اور اولوالامر سے مفہوم "افسرانِ ماتحت" (م۔ ج ۴ صـ ٦٢٦ پرویز)

دیکھیے:۔ کس طرح سب اطاعتوں کو رسول سے کم تر (مرکزِ ملت) کی اطاعت میں سمیٹ دیا کیونکہ اس کے ساتھ ہی لکھا ہے:۔ "مقامی افسر سے تنازع ہو تو معاملہ مرکزی حکومت کی طرف Refer کردو۔ مرکز کا فیصلہ سب کے لیے واجب التسلیم ہوگا۔" (پرویز۔ م ج ۴ صـ ٦٢٩)

اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے سلسلے میں (اطاعت سے) کورا جواب دے دیا، لکھا ہے "اطاعت صرف خدا کی ہو سکتی ہے۔ کسی انسان کی نہیں۔ حتیٰ کہ رسول بھی اپنی اطاعت کسی سے نہیں کرا سکتا" (پرویز۔ م ج ۴ صـ ٦٢٦)

مرکزِ ملت کی اتنی خوشامد اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر بے گانگی؟ اب ان کی وفاداری پر کسی کو اعتبار آئے گا تو کیسے؟

یہ بھی لکھا ہے:۔ "اسلامی نظامِ زندگی میں احکامِ حکومت ہی دینی مسائل ہوتے ہیں۔" (ایضاً صـ ٥٠٣)

"یوں سمجھیے کہ وہ (قرآن) اصولی قوانین وضع کر دیتا ہے تاکہ ان کے اندر رہتے ہوئے انسان اپنے اپنے زمانہ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ضمنی احکام (By-Laws) خود متعین کرتا جائے مثلاً قرآنِ کریم نے ربوا (سود) کی حرمت کا حکم دیا ہے تو ربوا کی تمام شکلوں کو گنا کر اس کے حکم کا حصر نہیں کر دیا بلکہ اسے غیر متعین چھوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ آج ہمارے زمانہ میں ربوا کی ایسی ایسی شکلیں پیدا ہو گئی ہیں جو نزولِ قرآن کے زمانہ میں کہیں موجود نہ تھیں۔" (ایضاً صـ ٦٢٩)

اس عبارت کو چند بار غور سے پڑھیے اس سے تو صاف طور پر یہ مترشح ہوتا ہے کہ ربوا کی ایسی شکلیں بھی ہیں جن پر حرمت کا حکم نہیں لگتا (والعیاذ باللہ) اور اپنی ضروریات کے پورا کرنے کے لیے انسان اسے جائز قرار دے سکتا ہے۔

اب تک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ احکام اور آپ کے جزئی احکام کو رد و بدل کرنے کا حق مرکزِ حکومت کو دیا جا رہا تھا۔ اب قرآن عزیز کے اصولی اور منصوص علیہ احکام اور اسلامی محکمات کو

تبدیل کرنے کا حق (مثلاً ربوٰ کی بعض صورتوں کی حرمت کو حلت سے تبدیل کرنا) بھی انسانوں کو دیا جا رہا ہے۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا

بہت بڑی بات ان کے منہ سے نکل رہی ہے۔ وہ صاف جھوٹ ہی بول رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ربوٰ کی حرمت کو دین میں "اصلِ کُلّی" کے طور پر بیان فرما کر اس کی تمام شکلوں اور صورتوں کو اس حکمِ حرمت میں مندرج فرمایا ہے۔ آج یا آئندہ قیامت تک ربوٰ کی جو بھی نئی سے نئی صورت نکلے گی اور اس میں قرضہ یا امانت[عہ] وغیرہ میں "اصل زر" پر کوئی بھی اضافہ لیا جائے گا وہ سب ربوٰ میں شامل ہو کر حرام ہوگا۔ اس حکمِ خداوندی کو کوئی بھی تبدیل کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ ارشاد ہوتا ہے

وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَوٰا (البقرۃ ۲۷۵)

اللہ تعالیٰ نے بیع (سیم و زر وغیرہ سے دوسرے اجناس سامان، جانور وغیرہ کی بکری) کو حلال کیا ہے اور ربوٰ کی ہر صورت کو حرام قرار دیا ہے۔

یہ بھی لکھا ہے:-

(م) (۱) "رسول اللہ کے بعد خلیفۃ الرسول[عہ]، رسول اللہ کی جگہ لے لیتا ہے اور اب خدا اور رسول کی اطاعت سے مراد یہی جدید مرکز ملت کی اطاعت ہوتی ہے۔" (پرویز تم ج ۴ صفحہ ۶۸۶)

(۲) "باقی رہا منصبِ مرکزِ ملت۔ سو یہ ملت کی طرف منتقل ہو جائے گا اور سلسلہ بسلسلہ

عہ صَرف کی صورت میں جہاں زر کا تبادلہ زر سے، روپے وغیرہ کا تبادلہ اپنی نوعیت کے سکوں سے یا سیم کا تبادلہ سیم سے یا گندم، جو، کھجور وغیرہ کا تبادلہ اپنی ہی جنس سے کیا جائے وہاں کمی، بیشی یا ایک طرف سے ادائیگی میں تاخیر جائز نہیں۔ ہاں اگر ایک جنس مثلاً سونے کا تبادلہ دوسری جنس مثلاً چاندی سے کیا جائے تو تفاضل (کمی، بیشی) جائز ہے۔ تاخیر یہاں بھی جائز نہیں ۱۲ ارشد عفا اللہ عنہ

عہ "خلیفۃ الرسول" کے لفظ سے آپ کا ذہن کہیں صدیق رض و فاروق رض (وغیرہ رض) کی طرف منتقل نہ ہو جائے بلکہ جس مرکز حکومت کو "پرویزی فکر و نظر" یہ سند دے دے بس اس کی اطاعت کو یہ لوگ خدا و رسول کی اطاعت قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ تَعَالَى اللَّهُ عَنْ ذَٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا

(ارشد عفا اللہ عنہ)

آگے چلے گا۔ لہٰذا نظامِ دین کا انحصار کسی شخصیت پر نہیں۔" الخ (ایضاً " ص ۶۶۹)

(۳) "جن احکام کی جزئیات تک قرآن نے متعین کر دی ہیں ان میں اس مرکز کو بھی رد و بدل کا اختیار نہیں ہوتا۔ لیکن جو احکام قرآن میں اصولی طور پر بیان ہوئے ہیں اس سے مقصد ہی یہ ہے کہ ان جزئیات میں اپنے اپنے زمانہ کے مطابق رد و بدل ہو سکتا ہے۔ احکام کی تنفیذ اور جزئیات کی تشکیل میں مرکزِ ملت اپنی جماعت سے مشورہ لیتا ہے۔" (پرویزم ج ۴ ص ۶۸۶)

یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ مطلب برآری اور مصلحت بینی کے لیے بس مسند نشینانِ اقتدار کی خوشامد و چاپلوسی ہی جانتے ہیں۔ نہیں بلکہ عوام سے داد لینے اور ان کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے وہ اُن پر کڑی نکتہ چینی بھی کیا کرتے ہیں۔ گویا تملق کی دو دھاری تلوار سے وہ سب کو رام کرنے اور اپنے "باطل نظریات و معتقدات" کی ترویج میں آسانی پیدا کرنے کے لیے پوری سرگرمی سے مصروفِ عمل ہیں۔ لکھا ہے:۔

(ن) (۱) "قرآن بتاتا ہے کہ حکمتِ فرعونی کی رُو سے قوت کے استحکام کا راز اس میں ہوتا ہے کہ مملکت کے باشندوں کو پارٹیوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ (وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا) (اس کے بعد جو کچھ لکھا ہے مختصر الفاظ میں اس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ یہاں بھی اس وقت یہی چال چلی جا رہی ہے اور طلوعِ اسلام نے پارٹی بازی کو ختم کرنے اور پاکستان کے مختلف صوبوں کو مٹا کر ایک مرکزی حکومت قائم کر دینے کے لیے جو آواز بلند کی تھی اُس کی مخالفت بھی اسی لیے کی گئی .... کہ "چونکہ یہ قدم بھی ملت کی وحدت کی طرف منجر تھا۔ (فلہذا اقتدار پرست طبقہ کے مفاد کے خلاف جاتا تھا کیونکہ اُن کی قوت کا راز ملت کی تفریق و تقسیم میں ہے۔)" آگے لکھا ہے:۔

"اس مخالفت کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ برسرِ اقتدار پارٹی کے پاس لوگوں کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے مناصب و مدارج ہی کی تو جاذبیت ہے۔ جس قدر زیادہ اسمبلیاں، وزارتیں، عہدے، مناصب ہوں گے اسی قدر زیادہ تعداد برسرِ اقتدار پارٹی کے ساتھ رہے گی۔" اس سے پہلے یہ بھی لکھا ہے:۔

(۲) "قرآن کی رُو سے اس قسم کی پارٹی بازی اور گروہ سازی شرک ہے" الخ (طا اگست و ستمبر ۱۹۵۲ء لمعات) ص ۹)

"پرویزی گروہ" کو امراء سے ایک شکایت یہ بھی ہے کہ اسلام کی وہ "من گھڑت تعبیر" جو

یہ گروہ پیش کرتا ہے اہلِ پاکستان پر جھٹ ہی مسلط کیوں نہیں کر دی جاتی تاکہ "حقیقی اسلام" جو قرآن اور اُسوۂ حسنۂ رسول ؐ کی روشنی میں ہم تک علمی اور عملی تواتر کے ذریعہ پہونچا ہے اس کے پھر سے اُبھرنے کا کوئی موقع ہی نہ رہے۔

نیز ان کے لیے یہ اندیشہ سوہانِ روح بنا ہوا ہے کہ کہیں ان لوگوں کی قسمت جاگ نہ اٹھے اور پھر سے یہ "حقیقی اسلام" کے "نظامِ حق و انصاف" کے نفاذ کا تہیہ نہ کر بیٹھیں، اس لیے وہ "حقیقی اسلام" کو "ملّا کا مذہب" "عجمی سازش" اور "عجمی تصورات" کہہ کر نظروں سے گرانے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں اور آوازیں آوازے ملانے اور خلطِ مبحث کی خاطر "نظامِ دین" اسلام اور قرآن کے نعرے لگاتے رہتے ہیں۔ ان کے پیشِ نظر اپنے "مخصوص معتقدات اور خواہشات" کے سوا کچھ نہیں۔

وہ ایک طرف "فرنگ گزیدہ ذہنیتوں" کا جائزہ لے کر اسلام کی خود ساختہ ایسی تعبیر پیش کرتے ہیں جس سے ان کی بے عملی، تن آسانی اور بُزدلی کو تقویت ملے اور اس وجہ سے وہ اُن کے ہم نوا ہو کر ان کی حمایت و تائید کریں۔ اور اسلام چند خوش نما الفاظ اور رنگین عبارات کے ہیر پھیر کے سوا کسی منضبط اور ٹھوس "دستور العمل" اور "عملی قانون جات" کی صورت میں سامنے نہ آنے پائے۔ دوسری طرف ان کی اور عام مسلمانوں کی پستی اور زبوں حالی[1] کا ذکر چھیڑ کر "مذہب" کو اس کا ذمہ دار گردانا ہے اور اس طرح خود ساختہ "دین پرویزی" کی طرف دعوت دی ہے۔ اور اس کے لیے قرآن اور نظامِ دین وغیرہ الفاظ کو بے جا طور پر استعمال کر کے فریب دہی کی ایک انوکھی چال چلے ہیں۔

وہ ایک طرف قوم کو تھپکیاں دے دے کر غفلت اور بے عملی کی نیند سُلاتے ہیں اور دوسری طرف انہیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگاتے ہیں اور ان کے علاج کے لیے افیون کی ہلاکت انگیز پڑیا پیش کر دیتے ہیں۔ تاکہ موت کی آخری نیند انہیں سُلا دیا جائے۔ (والعیاذ باللہ)

وہ ہر ایک نظام کو برداشت کر سکتے ہیں لیکن اس "نظامِ حق" کو برداشت نہیں کر سکتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے دنیا کے سامنے پیش کیا اور جو ہم تک صحیح "علمی شہادتوں" اور "عملی تواتر" کے ذریعہ پہونچا ہے اور بدیں وجہ قطعی ہے اور شبہ سے بالاتر۔

[1] "اسبابِ زوالِ امت" وغیرہ مقالات میں پرویزی یہی چال چلے ہیں۔ (ارشد)

"قرآن عزیز" "ضابطۂ حیات عام" ہے کسی کی "شخصی سوانح حیات" نہیں۔ وہ سچائی کے اصول بتا کر اُن کی "تفصیلی عملی تعبیر" "اُسوۂ رسول ؐ" کو بتاتا ہے۔ اور اس وجہ سے تمام امور میں آپؐ کی کامل اطاعت اتباع اور آپؐ کے "اُسوۂ حسنہ" کی پوری پوری پیروی کا بار بار حکم دیتا ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال و اخلاق وغیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کے بغیر "اتباع قرآن" کی دوسری صورت ممکن ہی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و اخلاق اور آپؐ کے ارشادات کے صحیح اور مستند مجموعے (صحاح ستہ وغیرہ) کی صورت میں مُدوّن ہیں۔ اور قرآن کے عین مطابق۔ لہٰذا قرآن کی پیروی کے لیے اُن کی رہنمائی ضروری اور متفق علیہ ہے۔

لیکن یہ لوگ (پرویز اور ان کے ہم نوا) چونکہ قرآن کو اپنے حقیقی مفہوم میں نافذ العمل گوارا نہیں کر سکتے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ "نظام حق" کو "من گھڑت تعبیرات" کی آڑ میں جھٹلاتے ہیں اور اسے "ملا کا مذہب"[1] "عجمی سازش" "عجمی تصورات"[2] "روایاتی جھوٹ"[3] "روایات سازی" "روایات پرستی" "خود ساختہ ملفوظات"[4] وغیرہ کہہ کر (دین حق کے خلاف) اپنے بغض و عناد کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

ان کے نزدیک ہر وہ شخص "ملا" ہے جو ان کی غلط باتوں کو تسلیم نہ کرے اور دینِ حق کی ہر وہ بات جو ان کی "باطل خواہشات" سے ٹکرائے "ملا کا مذہب" اور "عجمی سازش" ہے۔

جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں سے جو بھی ان کی ہم نوائی نہ کرے ان کے متعلق لکھا ہے:۔

(۳) "یہ وہ طبقہ ہے جس کا ظاہر ماڈرن ہے لیکن باطن اسی دقیانوسی ملائیت کا حامل"۔

"اس سے (یعنی طریق استدلال کو ماڈرن رنگ دینے سے ..... وہ تعلیم یافتہ طبقہ (یعنی سوٹ پہننے والا ملا) اُن کا ہم نوا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے ان کی ظاہراً ماڈرن ازم بھی قائم رہ جاتی ہے اور قلبی ملائیت کی بھی تسکین ہو جاتی ہے۔" الخ (ط اگست و ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۳ (لمعات)

"دینِ حق" (اسلام) کی کسی بات کو جھٹلانے اور اپنے "خرافہ" کو اس کی جگہ رکھنے کے لیے اُن کے

---

[1] ط جون ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ (لمعات) [2] ط اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۳ (پرویز) [3] ط صفحہ ۳۱ جنوری ۱۹۵۲ء [4] ط فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۹-۳۰ (پرویز)

پاس کوئی دلیل یا بُرہان تو ہو نہیں سکتی، لہٰذا وہ طعن و تشنیع اور استہزاء و تمسخر سے کام لینے کے لیے اُسے "مُلّا کا مذہب" کہہ کر سمجھتے ہیں کہ انہوں نے معرکہ سر کر لیا۔ حالانکہ سمجھدار آدمی کے نزدیک یہی ان کی شکست خوردہ ذہنیت کی بیّن دلیل ہے۔

وہ عوام کے سامنے اسلام کی "خودساختہ تعبیر" پیش کر کے "حقیقی اسلام" سے انھیں دور رکھنے کے سیکڑوں جتن کرتے ہیں، اور طرح طرح کے حیلوں سے "اپنی خواہشات" کو اسلام بتانے کے ڈھنگ نکالتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی عوام کو دھوکا دینے کے لیے اپنی اسلام پسندی کے ثبوت میں حکومت کے متعلق یہ شکایت بھی کرتے رہتے ہیں:۔

(۴) "ارباب حکومت واقعی اسلام سے مایوس ہیں، وہ صرف عوام کو اپنے قابو میں رکھنے کے لیے "اسلام اسلام" پکارتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے سامنے اسلام نام کی کوئی چیز نہیں۔"

(عرشی لاہوری، طلوعِ اسلام دسمبر ۱۹۵۸ء)

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا آپ لوگوں کے سامنے اسلام نام کی کوئی چیز ہے؟ اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ اس کے اصول کیا ہیں؟ اور فروع کیا؟ اس کے احکام و حدود کو منضبط طور پر بتایئے اور ان کے عملی طور طریقے بھی متعین کیجیے۔ پھر یہ بھی بتایئے کہ عقیدۃً و عملاً آپ کا اسلام جمہور مسلمانوں کے چہاردہ صد سالہ اسلام سے جو کتاب و سنت اور فقہ اسلام میں منضبط اور مُدوّن ہے کن کن باتوں میں اختلاف رکھتا ہے اور وہ کون کون سے نئے حالات و واقعات اور تازہ پیش آنے والی ضروریات اور نت نئے وقتی تقاضے ہیں جن کے حل سے جمہور کا اسلام قاصر ہے اور وہ کون کون سے "جدید احکام و مسائل" ہیں جن کے صحیح جواب ان کے اسلام میں نہیں مل سکتے؟

آپ اس سوال کا جواب لایعنی طوالت کو چھوڑ کر، غیر ضروری رنگین بیانی کا سہارا لیے بغیر واقعات و حوادث کا حوالہ دے کر، ٹھوس اور منضبط صورت میں، مناسب اختصار کے ساتھ پیش کریں۔ اور پھر اپنے ہر دعوے کے ثبوت میں "قرآنی بیّنات" میں سے سند لائیں۔ لیکن قرآنی مفہوم و مصداق متعین کرنے کے لیے محض آپ کی "خواہش" کوئی قابل قدر چیز نہیں، اس کے لیے لغت محاورہ اور اُسلوب قرآنی ہی قابل اعتبار اور لائق احترام و تسلیم ہے۔ بس اگر آپ فیصلہ کرنا چاہیں،

[1] منکروں کا یہ شیوہ پرانا ہے کہ انبیاء و رسل تک کو مجنون، شاعر اور کاہن وغیرہ کہہ کر جھٹلاتے رہے ۱۲

تو اسی صورت میں آپ کا اور ہمارا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ نہیں لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ؁

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ہوائی جہازوں کے اُڑنے اور ریلوں اور موٹروں کے دوڑنے اور بمباروں کے بم برسانے سے اسلام کے مسائل بھی تبدیل ہونے ضروری ہیں؟ کیا یورپ کے سرمایہ دارانہ نظام اور روس کی ملحدانہ اشتراکیت کے عہد میں یہ ضروری ٹھیرتا ہے کہ ہم "اسلامی احکام" میں قطع و بُرید شروع کر دیں اور "ملحدانہ مزاج" سے انھیں قریب تر کرنے کے لیے انھیں مسخ کرنے کے درپے ہوں؟ جمہور کا اسلام نہ اڑنے سے روکتا ہے، نہ دوڑنے اور بڑھنے سے، بلکہ "صحیح ترقی" کا سب سے بڑا داعی ہے۔ اور علمی، عملی، اخلاقی، مادی اور روحانی عروج و ارتقاء کا سب سے بڑا علم بردار۔ البتہ وہ ہر قسم کی ترقی کو تخریب میں نہیں تعمیر میں صرف کرنے کی پابندی لگاتا ہے۔ اور کبر و نخوت نمود و ریا کی بجائے اخلاص و للہیت، ایثار و ہمدردی، تواضع اور فروتنی، مواسات و انسانی اخوت کی تلقین فرماتا ہے اور بوقت ضرورت مناسب غلظت و شدت اور "دینی تصلب" کا حکم بھی دیتا ہے۔

ہمارا مسلک

ہم قرآن کریم کا اتباع کرتے ہیں کیونکہ یہ "اصل دین" ہے اور خود اس کا حکم ہے:۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ (الاعراف، ۳)

تمہارے رب کی طرف سے جو کتاب تمہاری طرف (رسول ؐ کے ذریعے) اُتاری گئی ہے اس کی پیروی کرو۔

اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ:۔

(۱) قرآن کا حکم ہے اِتَّبِعُوْهُ (رسول ؐ کی پیروی کرو)

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ (الاعراف،)

اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کے حق دار وہی لوگ ہیں، جو نبی امی، رسول برحق (محمد ؐ) کی پیروی کرتے ہیں۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ ط (۳/۳۲)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو۔

(باقی آئندہ)

خاص مجربات

(۱)

اکسیر العین

امراض چشم کے لئے عجیب اکسیر فی شیشی ... 1 12 0

(۲)

اکسیر سیدی

جذام ' فساد خون وغیرہ کے لئے مفید - فی خوراک .. 3 0 0

(۳)

اکسیر حیات الملک

دق ' سل ' ہیضہ جیسے امراض کی وجہ سے قریب المرگ لوگوں کیلئے بیماری کے بعد ضعف کو دور کرنے والی عجیب دوا - فی خوراک 5 0 0

(۴)

برء الساعۃ

وجع المفاصل - وجع الورک - عرق النسا اور گٹھیا وغیرہ کیلئے بفضلہ تعالی مستقل نفع دینے والی - آٹھ خوراک ... 2 0 0

(۵)

تولیدی

فعل ہضم کو درست کرکے غذا کو جز و بدن بنانے کے لئے - آٹھ خوراک 2 8 0

(۶)

عصبی

اعضاء رئیسہ ' اور پٹھوں کی کمزوری ' اور تھکن اور پژمردگی کا مؤثر علاج - آٹھ خوراک ... 3 4 0

(۷)

اکسیر ضیق

دمہ - ضیق النفس اور سانس کے تمام امراض کیلئے آٹھ خوراک ... 4 4 0

(۸)

تریاق شکری

شکر آنے میں حیرت انگیز طریق پر مفید - آٹھ خوراک ... 12 0 0

نوٹ : ہر قسم کی بیماری کیلئے بذریعہ خط و کتابت بھی علاج کرایا جا سکتا ہے' انشاء اللہ ہر قسم کا مفید مشورہ دیا جائیگا -

★

دفتر انوار العلوم - جامعہ اشرفیہ - نیلا گنبد - لاہور

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۷۶۶

مکمل تفسیر بیان القرآن

مولانا اشرف علی تھانوی کو دنیا حکیم الامت مانتی ہے
آپ نے قرآن مجید کی تفسیر بارہ جلدوں میں

بیان القرآن

کے نام سے تحریر فرمائی تھی۔ قرآن پاک کے اس ترجمہ و
تفسیر کو دیکھ کر دنیا عش عش کر اٹھی۔ عوام نے اسے
اس لئے پسند کیا کہ ان کی سمجھ سے بالاتر اس میں کوئی
بات تھی۔ خواص اور طبقۂ علما نے اس لئے اسے
سر آنکھوں پر رکھا کہ اس میں ایک بات بھی غیر مستند یا
غیر صحیح نہیں ہے۔

تاج کمپنی نے بڑے اہتمام کے ساتھ عکسی پلیٹوں
کے ذریعہ اس نادر تفسیر و ترجمہ کو چھاپنے کا انتظام
کیا ہے۔

ایک کارڈ بھیج کر نمونے کے صفحات اور
تفصیلات مفت طلب فرمائیے۔

تاج کمپنی لمیٹڈ پوسٹ بکس ۵۳۰ کراچی